

پاک ہند کی چند اسلامی تحریکیں
اور

علمائے حق

— انر —

خلیل اشرف صاحب اعظمی قادری
علامہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتساب

اسلام کے اُن جگہ گاتے ستاروں
کے نام جنہیں تعصب کے
اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

وَعَلَىٰ آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	نام عنوان	صفحہ نمبر	نام عنوان
۶۱۶	۵۸۸ نساخ	۵۳۲	ابن عبد الوہاب اور برطانوی جاسوس ہنفر
۶۱۷	۵۹۰ جنگ حریت - حیرت انگیز باتیں	۵۳۵	جہاد اور جہاد کی
۶۲۰	۵۹۱ مولانا مہسّر کی تادیل	۵۳۶	تضادات
۶۲۲	۵۹۲ میاں محمد کی صفی	۵۳۷	پر وگنڈے کی خودکام کہانی محمد علی قصوری
۶۲۳	۵۹۳ لفظ سرکار کے معنی	۵۳۷	کی زبانی -
۶۲۳	۵۹۴ جواب چاہئے -	۵۳۸	دلچسپ باتیں -
۶۲۳	۵۹۵ مائیکرو لیا کے مریض	۵۴۰	مولوی محمد اسماعیل کا حسنم خورشیدی
۶۲۳	۵۹۷ زلزلہ	۵۴۱	روایوں کی کہانی کنیا لال کی زبانی
۶۲۴	۵۹۸ جماعت یونین ہر سہ ماہی سرسبز کی آرزو	۵۴۳	گوہوں کی سرپرستی
	۵۹۹ مندرجہ	۵۴۵	انگریز یا سکھ
۶۳۱	۶۰۱ تحریک خلافت اور خزاں	۵۴۸	اعتراف کا جواب تلوار ہے
۶۳۲	۶۰۱ کچھ انجمنیں - کچھ کمیٹیاں	۵۵۰	شیخ اکرام کی گواہی
۶۳۲	۶۰۳ مسلم لیگ کا قیام	۵۵۲	ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں
۶۳۳	۶۰۴ تحریک خلافت اور چند دوسری تحریکیں	۵۵۳	حیرت انگیز انکشاف
۶۳۴	۶۰۶ تحریک خلافت کا تاریخی پس منظر	۵۵۵	عقائد و نظریات کی اہمیت
۶۳۵	۶۰۷ تحریک خلافت اور اس کا رد عمل	۵۵۵	اختلاف کا پہلا بیج
۶۳۷	۶۰۷ قائد اعظم کی مایوسی	۵۵۶	بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف
۶۳۸	۶۰۸ گاندھی کا حکم	۵۵۶	جواب فتویٰ
۶۳۹	۶۰۹ گاندھی جی کی قیادت اور اس کا صلہ	۵۵۷	منظرہ بازی
۶۴۰	۶۱۱ دیوانگی کی انتہا		
۶۴۲	۶۱۲ سیدنا امام احمد رضا		
۶۴۳	۶۱۳ ہندو سے ماترم		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۳۴	تعم مشرکین ہندو عمارت بالفصل	۷۳۱	لی کا ہونک انکشاف	۷۳۱	قوی شخص کی پامالی
۶۳۶	بریلی میں ابو الکلام آزاد کا کھانا	۷۳۲	میلان میں مسلمانوں کی مکمل شکست	۷۳۲	تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد
۶۳۶	صدر انٹرنیڈ کا اہتمام حجت تار	۷۳۳	اساتذہ	۷۳۶	احوال و واقعات
۶۳۸	موالات کی تقسیم اور اسکے احکام	۷۳۳	علی مدنی کا ارشاد	۷۳۸	حقائق و شواہد
۷۵۱	کافروں، مشرکوں، منافقین سے معاملہ	۷۳۴	انجام کے خوفناک بچے	۷۵۱	ہلاکت خیر تحریک
۷۵۱	کافروں سے انجام کا حکم اور مولانا اسما	۷۳۵	دیکھ گاؤ، شدھی، شنگھن	۷۵۱	محمد علی جناح اور محمد علی جوہر کی جھڑپ
۷۵۲	کا افسار	۷۳۵	۱۰ کی طویل داستان	۷۵۲	جھڑپ کی مزید تفصیلات
۷۵۳	مولانا اشرف علی تھانوی کی گواہی	۷۳۶	لی کا تحریک	۷۵۳	مولانا مدنی کا غلطو
۷۵۵	امام احمد رضا فرماتے ہیں	۷۳۷	نفس	۷۵۵	علامہ اقبال اور ترک موالات
۷۵۵	مولانا تھانوی کو کیا کہینگے؟	۷۳۸	مدنی جوہر کی سوچ	۷۵۵	کھد پوٹی کی ایک اور کہانی
۷۵۷	تحریک ہجرت دروہوں	۷۳۹	اور ان کی داپسی	۷۵۷	گاندھی جی کی ڈرگت
۷۵۸	ہلاکت آفریں کلمات	۷۴۰	۱۱۱ حریف آخر	۷۵۸	مفتاح عظام، علمائے کرام
۷۶۰	تحریک ہجرت کی کہانی	۷۴۱	۱۱۲	۷۶۰	دیباچہ کے دل جس دہل جائیں وہ طوفان
۷۶۲	نہ خدای ملا نہ دھال ضم	۷۴۲	۷۴۲	۷۶۲	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
۷۶۲	مجدد وقت کا اظہار حق	۷۴۳	۷۴۳	۷۶۲	ایک سپاہی کی ضرب
۷۶۵	تکوار کون اٹھائیگا	۷۴۴	۷۴۴	۷۶۵	امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
۷۶۶	ڈاکٹر مونسے کا نظریہ	۷۴۵	۷۴۵	۷۶۶	دید و شنید
۷۶۷	ہر دیال کی وضاحت	۷۴۶	۷۴۶	۷۶۷	موالات ہر کافر سے حرام ہے
۷۶۸	ظفر احمد ایک کی گواہی	۷۴۷	۷۴۷	۷۶۸	معاملت کا جواز
۷۶۸	صیرت امیر ملت ہے	۷۴۸	۷۴۸	۷۶۸	نہ آغاز بہتر نہ انجام اچھا
۷۶۹	دربار عالیہ گولڑہ مشرف	۷۴۹	۷۴۹	۷۶۹	موالات و معاملات
۷۷۰	جناب شورش کا ذاتی تجربہ	۷۵۰	۷۵۰	۷۷۰	مولانا ظفر علی برہم جوہر کے

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۱۳	جان نثاران اسلام	۷۳۱	لی کا ہونک انکشاف
۷۱۴	کردار کی ایک اور جھلک	۷۳۲	میلان میں مسلمانوں کی مکمل شکست
۷۱۵	مسٹر ذبیحہ گاؤ	۷۳۳	اساتذہ
۷۱۵	دینا یان قوم کے بیانات	۷۳۴	علی مدنی کا ارشاد
۷۱۶	برادران وطن کا نظریہ	۷۳۵	انجام کے خوفناک بچے
۷۱۸	سیدنا امام احمد رضا اور مسٹر ذبیحہ گاؤ	۷۳۵	دیکھ گاؤ، شدھی، شنگھن
۷۱۹	مسک اہلسنت اور اہل بیت سے محبت	۷۳۶	۱۰ کی طویل داستان
۷۱۹	نور اتلیخ قری زن	۷۳۷	لی کا تحریک
۷۲۰	بے پناہ حیرت کا مظاہرہ	۷۳۸	نفس
۷۲۲	مرشدی صدر الشریعہ	۷۳۹	مدنی جوہر کی سوچ
۷۲۵	حریف آخر	۷۴۰	اور ان کی داپسی
		۷۴۱	۱۱۱ حریف آخر
		۷۴۲	۱۱۲

دوست دینا تے۔ لیکن ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

کتاب سے پہلے کتاب اللہ کا مطالعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غور سے سنتے

فَلْيُشَرِّعْ عِبَادَ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَ
أَوَّلَیْكَ الَّذِیْنَ هَدٰیہُمْ اللّٰهُ وَأَوَّلَیْكَ هُمْ أَدْلُوْا لَآلِہِ

پ ۲۳ سورہ الزمر آیت نمبر ۱۷، ۱۸

خوشخبری دے دیر سے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر سچ
میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور دیکھو
والے ہیں۔

اگر چہ اپنے ہی ہوں

ہٰذَا قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَ
لَمْ یُذَلِّکُوْا کُلُوْا اٰیٰتُہُمْ اَوْ اٰبْنَاؤُہُمْ اَوْ اِخْوَانُہُمْ اَوْ عَشِیْرَتُہُمْ

پ ۲۸ سورہ المجادلہ آیت نمبر ۲۲

یاد دے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کمرہ دوئی کریں ان سے
ہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے
اصالی یا کنبے والے ہوں۔

ممنوع ہے

لَا اٰیٰتُہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخِیْذٌ ذَا عَدُوِّیْ دَعَدُوْکُمْ اَوَّلِیَآءُ تُلْقُوْنَ
اِلَیْہِہُمْ بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَاءَکُمْ مِنَ الْحَقِّ

پ ۲۸ سورہ الممتحنہ آیت ۱

اسے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم انہیں خبریں پہنچاتے
جو دوستی سے علانہ دہ منکر ہیں اس حق کے جو تمہارے پاس آیا۔

کافروں سے دوستی

تَدْرِیْ کَثِیْرًا مِّنْہُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیْسَ مَا قَدْ مَنَّ
لَہُمْ اَنْفُسُہُمْ اَنْ سَخَطَ اللّٰهُ عَلَیْہِمْ وَفِی الْعَذَابِ ہُمْ خٰلِدُوْنَ
وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالتَّحٰییِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اخَذُوْہُمْ
اَوَّلِیَآءَ وَلٰکِنْ کَثِیْرًا مِّنْہُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۸۰، ۸۱

تم ان میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں بلکہ
کیا ہی بڑی چیز ہے جو خود انہوں نے اپنے لئے تیار کیا کہ ان پر اللہ کا عذاب اتر
امددہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اور اگر انہیں اللہ ربی و قرآن پر ایمان آتا

کافروں کے دوست خدا کے دوست نہیں

لَا تَخِیْذُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوَّلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَوْ مَنَ
یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ وَتَحٰییِ ۝ (پ ۳ سورہ آل عمران آیت نمبر ۶۸)

مسلمان کافروں کو دوست نہ بنالیں مسلمان کے سوا۔ اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ اس کے رسول سے کچھ تعلق نہ دے گا۔

ظالموں کی طرف مائل بھی نہ ہو

وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ يَكْفُرُوا فَتَمَشَّكُمُ النَّاسُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ

پ ۱۲ سورہ ہود آیت نمبر ۱۳

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں (دعویٰ) آگ چھو لے گی اور اللہ کے تمہارا کوئی حمایتی نہیں پھر مدد نہ پاؤ گے۔

کافروں اور بد مذہبوں کو راز دار نہ بناؤ

وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمْ خَبْرًا لَمْ يَأْتِيَهُمْ قَدْ بَدَّتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا خَفِيَ صُدُورُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ

پ ۴ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۸

وہ ایمان والوں کے لیے یہ ہے کہ ان کے لیے راز دار مت بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں درگزر نہیں کرنے کی آرزو ہے کہ تمہیں ایذا پہنچے۔ عداوت و دشمنی ان کی باتوں سے جھلک رہی ہے اور وہ جو سیز میں چھپاتے ہیں (اس سے بھی) بڑا ہے۔ ہم نے نشانیاں اس کے لیے کھول کر بتا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔

علماء کا فرض

سید عالم صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا ظَهَرَتِ الْفِتْنُ أَوْ قَالَ الْبِدْعُ وَسَبَّ أَهْلُهَا فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ مِلَّةَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ - لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا -

جب فتنہ یا فرمایا اگر مہیاں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے۔ اور جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے اللہ اس کا فرض قبول نہ کرے گا نہ لفظ نہ۔

رواہ اللام الخطیب البغدادی "الجامع بین آداب الراوی والسامع"

دورخی اختیار نہ کرو

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا الَّذِينَ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَلِيبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا

پ ۵ سورہ الناف آیت نمبر ۱۳۸

منافقوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان (کافروں) کے پاس عزت و سونڈت ہے ہیں ساری عزت تو اللہ کے لئے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حرفِ اوّل

اس سے یہ خواہش تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جاتی جس میں وہ بیان ہند کی "تحریک جہاد" اور "ہندوستان ۱۸۵۷ء" سے لیکر "تحریک تہام پاکستان" تک کے احوال و واقعات کا حقائق و خواہد میں بے لاگ اور بھرپور تجزیہ ہوتا۔ بہر صورت کتاب "پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکات اور ملکات" اس کے بہت سے مندرجات قارئین کو حیرت انگیز معلوم ہونگے۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہ تمام حیرتناک گمراہی کے مؤرخین نے تحریر فرمائی ہیں۔

ب شاہ اندازہ بھی نہ فرما سکیں کہ اس قسم کے موضوعات پر علم اٹھانا بے ہر لاپرواہی کرنے سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ جاگنا حالات سے گزرنے پڑتا ہے۔ الجھی ہوئی گفتیاں سلجھانے میں نہ جانے کتنی راتیں گزر جاتی ہیں وہیں رہتی ہے۔ جوالوں کی تلاش و جستجو ایک مستقل ضرورت بن کر سامنے آتا ہے۔ اور انتہائی دردناک ہوتے ہیں جب ناکردہ گناہوں کے الزام میں جذبات کو عینیت پہنچتی ہے اور اہل قلم کی یہ انصافی اٹھنے لگتا ہے۔ اس وقت دہواؤ قلم کو سنبھالنا بڑا ہی دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔

کہ یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے

اک آگ کا دیا ہے اور تیسرے کا جانا ہے

ان حقائق کے باوجود کہ تحقیقات کسی کی جاگیر نہیں دنیا کے بدست نے تاریخ کو مسخ کر دیا

ہے جناب مسعود عالم ندوی اور ان جیسے اہل قلم خاصے برہم نظر آتے ہیں۔ چنانچہ خود جناب مسعود عالم ندوی اپنی کتاب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں جناب ابوالحسن علی ندوی کی کتاب "سید احمد شہید" کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

مگر انہوں نے یہ کمریزت عزیز ترین دوست اور میرے بھائی کا طریق نظر نہ کرنا جس حقیقت ہندوستان ہے اور انہوں نے یہ رنگ کی کوتاہیوں اور فروگزاشتوں سے نگاہ بگاڑ کر کل جانی کو کش کر دیا۔ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مثلاً

اظہار حقیقت اور مقام عبرت

مناذراہر تعلیم جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی ذات گرامی پاک و ہند کے اس تعارف نہیں آپ فرماتے ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت کے جو کمالات تھے ان کا تذکرہ تاریخ میں نہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان انصاف نہیں کیا۔ یا تاریخ انصاف نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ ہمارے پاس مواد کی کمی ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں حضرت کے خیالات کے متعلق اس کی وجہ یہ ہے کہ وعظ و تبلیغ صرف تقریری طور کی گئی۔ تحریری کام بہت کم کیا میں ان کے عقیدت مندوں کا تصور زیادہ ہے۔

(۲) جب میں علامے پاکستان کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک بائے میں اب تک لکھا گیا ہے۔ وہ سب یک طرفہ ہے اس موقع پر میں نے شاہ فرما دیا اور کچھ ملاحظہ کیا تب جا کر کہیں اپنی کتاب میں تذکرہ کر پایا۔

(۳) ملک و وطن ثقافت یا ذہن قریبیت کی بنیاد نہیں۔ بلکہ قریبیت کی بنیاد حقیقت اور عبادت ہے اور ایمان کسی رنگ و نسل کا پابند نہیں۔ یہی بات مولانا احمد رضا نے کو بتائی اور باطل نظریات کے خلاف اپنے ہزاروں خلفاء اور شاگردوں کیساتھ جہاد کا نہ میرا یہ مقام ہے نہ میری اتنی قابلیت ہے کہ میں کچھ کہہ سکوں کیونکہ ان کے سامنے یونیورسٹی کے دانش چانسز ڈاکٹر ضیاء الدین احمد زانوٹے ادب تہہ کرتے رہتے۔

(۴) شاہ احمد رضا نے متعلق کو جان لیا تھا۔ میں خود تحریک ترک موالات میں شامل آج جب میں دیکھتا ہوں تو تمام واقعات میری آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں وقت ایک ہی نگاہ دور بین تھی جو جانتی تھی کہ مسلمانوں کا نقصان اس کی بجائے ہندوؤں سے ہو گا اور ان کا موقع درست ثابت ہوا۔

(۵) اعلیٰ حضرت نے مولانا عبدالباری فرنگی (معلیٰ) کو خطوط لکھے اور انہیں کہہ کہ مسلمان عدل عدل سے بڑھ گئے ہیں ان سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح مولانا شریعت علی کو لکھا کہ "ہم کرتے ہو تو اسلام ترک نہ کرو اور اصولوں پر قائم رہو" (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی عقیدت و ارادت خود جناب مسعود عالم صاحب
بلکہ کتاب ”ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک“ کے مطالعہ کے بعد یہ
بدلتا جاتا ہے۔ اور کتاب کے لب و لہجہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خود جناب مسعود عالم صاحب
و ارادت کی کس منزل پر کھڑے ہیں۔

ایک طرف ان نفوس قدسیہ کی قربانیاں اور فداکاریاں ہیں اور دوسری طرف ہندوستان
کے بے شرم مسلمانوں کی طرف سے ”تکفیر و تفسیق“ کا صمدیہ لٹریچر جو بیابانوں سے مرداس
تک پھیلا اور اب تک پھیلا یا جا رہا ہے ”تو اب تکفیر کی تلوار کندہ ہو چکی ہے نہ خائفانہ ہوں
میں جیتھ کر جو گول کی طرح مالا جیسے دلے“ ”سید احمد اور سید عیسیٰ شہید“ جیسے مجاہدین
امت پر کفر کے فتوے لگائیں.... اور بد نصیبی یہ ہے کہ ان بد بختوں کے آج تک ان
نیک بندوں کو معاف نہیں کیا۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۳۶

اور اس عبارت کا اشارہ بھی بطور وضاحت ملاحظہ فرماتے چلیں

ان لوگوں کو بد بخت کے علاوہ اور کیا کہا جائے دیگ کے توفے کو کوہ دماوند کہنا
راقم کے بس کی بات نہیں اور اگر یہ جرم ہے تو عاجز کوال کا اعتراف ہے
(حوالہ مذکور)

اور اس کتاب کے صفحہ پر تو جناب ندوی کی برہمی اور نازک حراچی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی
اور ثقاہت کا مقدس خول اترتا ہوا نظر آتا ہے اور شاد فہم رہتے ہیں

باطل کو حق کہنا یا اس کے مقابلے میں مولدات و مہمات سے کام لینا راقم کے بس سے باہر
ہے ہم باطل کو بہر حال باطل کہیں گے خواہ دنیا والوں کو اچھا لگے یا بُرا بندہ حق کیلئے ”توڑ دیگ
کو کوہ دماوند“ کہنا بہت مشکل ہے رسالہ جامعہ کے تبصرہ نگار نے زبان اور طرز انشا کی
”صوقیت“ کی شکایت کی ہے۔

انفوس کہ ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ باقی اپنا اپنا ذوق ہے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۳۷

ندوی صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ ان حالات کے پیش نظر ان کے خود ساختہ ”توڑ دیگ“ کے
”کو کوہ دماوند“ کو ان کے گاسن گوتی دتی پڑتی ہیں دوسرے لوگ کچھ کم تو نہیں ہیں۔ اب اسے کیا
کہ جناب ندوی کو دوسروں کی راست گوئی بھی نہ معلوم ہوتی ہو۔ جناب ندوی اپنی اس کیفیت
خود ہی لکھتے ہیں۔

مگر اپنی اس بد نصیبی کا فائدہ کم لفظوں میں کیا جائے۔ دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے
اور آنکھوں میں خون اتر آتا ہے جب کسی ملال کے فتوے اور خواتین سرحد کی عذاری
باد آتی ہے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۳۷

جناب ندوی کو علم نہیں کہ جب برہمی اور بغض و غضب سے آنکھوں میں خون اتر آئے
تو فہم ہرجاتی ہے اور بصیرت کا بھی کہیں دور دور بہہ نہیں چلتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مغلوب
شخص سے کسی دانشمندی اور عدل و انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

علم و حلم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ فریقِ ثانی کے نظریات بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور فریقِ اولیٰ
اس کے استدلال پر بھی غور کیا جائے صرف اپنی ہی کہے جانا اور کسی کی نہ سنا کوئی معقول بات نہیں
”یہاں تو اپنا اپنا ذوق ہے“ کا عمل دخل ہے۔ ان حالات میں غیر جانبدارانہ تحقیق اور متصفانہ
لیکھنا کبھی گنجائش باقی رہتی ہے جناب ندوی خود ہی لکھتے ہیں۔

راقم کا عجیب حال ہے جہاں مجاہدین راہِ حق کا ذکر آیا وہ تمام اگلی اور پچھلی بے انصافیاں
اور غلط بیانیوں ایک ایک کر کے یاد آنے لگتی ہیں جو اباب جو او ہوس نے
ان بزرگوں کے متعلق روا رکھی ہیں اور رہو راقم بے قابو ہونے لگتا ہے
کتاب مذکور ص ۵۵

پیدا ہوتا ہے کہ مولانا ندوی کے ان بزرگوں کے متعلق کن لوگوں نے افواہیں اڑائی ہیں اور کن
نے غلط بیانیوں کی ہیں۔ اور کیوں۔

اس باب میں ہم علی رؤس الاشہاد کہہ سکتے ہیں کہ مجاہدین کے سوانح نگار اور تذکرہ نویس تاریخ
یکر پہلی اسلامی تحریک اور اس سے ماقبل و مابعد تقریباً سبھی سیر صاحب و مولوی

محمد اسماعیل صاحب ہی کے مدراج اور ثنا خواں تھے۔

چنانچہ جناب شیخ محمد کرام موح کوثر میں اس کا اعتراف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

اس افسوسناک انقلاب احوال کا تجربہ کرنا اور ان کے اسباب و باعث ڈھونڈنا تاریخ نگار کا تلخ فرض ہے۔ لیکن آج یہ کام کسی قدر آسان ہو گیا ہے۔ ابھی تک اس سانحہ کے متعلق فقط سید صاحب کے عقیدت مندوں کے بیانات ملتے تھے جنکی تہا عہد حاضر میں مولانا مہر نے بڑے جوش و جذبہ سے کی ہے، لیکن اب افغان نقطہ نظر کا حقوہ بہت اظہار بھی سامنے آ گیا ہے۔

(موج کوثر شیخ اکرام ص ۳)

پھر بھی یہ بری گئی ہے تو یہ پچاسے مسلمانوں پر۔

آخر ”گھر کے“ اُن مصنفین کی گرفت کیوں نہیں کھاتی۔ جو بے پر کی اڑاتے رہے۔ اور مظلوموں کو جلاتے رہے۔ ستم بالا ستم تو یہ ہے کہ غلطیوں پر ستمبہ کر نیوالے مردان حق کو دربار کا فضول زدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اور انگریزوں کی دعوت آؤ اللہ والوں کو کچھ نہیں کہا جاتا۔

تمہیں بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

یہی بات تکبر و تعصب کی تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا بھی بھرپور جائزہ لینگے۔ اور دیکھینگے کہ میں کیا ہو رہا تھا۔ اور بطور جواب اُن غزل یہ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ ”توڑ دیگ اور کوہ دما“ مطلب واضح ہو جائے۔

لیکن گر بایں ناداں بگوئی خرمے را اسب تازی گو نگویم

آئیے دیکھتے ہیں کہ جناب سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی صاحب دہلوی کی تحریک جہاد کا نصب العین کیا تھا؟

کہ مقصد جہاد میں بھی یہ حضرات مؤرخین سخت اضطراب کے شکار ہیں۔

جناب مسعود عالم صاحب ندوی فرماتے ہیں

پچھلے دو تین برسوں میں حضرت سید شہید اور ان کی تحریک تجدید و جہاد کے تعلق جہاں اور غلط بیانیوں کی گئی ہیں وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سید صاحب کی جماعت دہلی کی مسلمان

اور دوری دور کرنے کیلئے کھڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ سید صاحب اور ان کے مقصد جہاد کی اس سے زیادہ اور کوئی تنقیص نہیں ہو سکتی۔

سید صاحب مکمل اسلامی نظام کے داعی تھے۔ دہلی کی حکومت کو ان کے بلند مقاصد سے نسبت کون نہیں جانتا کہ دہلی کی حکومت خاندانی، شخصی حکومت تھی۔ اور خلافتِ مسعود کے نمونے پر حکومت الہی کی تاسیس کرنا سید صاحب کا نصب العین تھا۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۵-۲۶)

یہاں یہ لکھتے ہیں شاید کوئی مضائقہ نہ ہو کہ اس قسم کی بولچلا نہیں صرف سید صاحب کے مدد میں دہوتی ہیں۔ اور تاریخ کے رُخ کو حسب ضرورت موڑتے رہتے ہیں۔ دہلی کی مسلمان حکومت ریت سے یقیناً سید صاحب اور ان کے جہادوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ یہ لوگ انگریزوں کو کھایا کرتے اور گن گایا کرتے تھے۔ اسکے باوجود ندوی صاحب کا پورا طبقہ اس بات پر مصرح صاحب ہی نہیں بلکہ آپ کے حلقہ متعلقین از اول تا آخر تحریک حریت کے سرخوش مجاہد تھے۔

یہ دعویٰ کہ ”سید صاحب کی دعوت خالص کتاب و سنت کی دعوت تھی“ اور ندوی صاحب کا یہ ارشاد کہ سید صاحب ”انصیب العین خلافت و راشدہ کے نمونے پر حکومت الہی کی تاسیس کرنا تھا۔ یقیناً قابل رشک ہیں اسے تسلیم کرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ مگر جناب مولانا حسین احمد صاحب عود و نوبت سرگزشت ”نقش حیات“ میں کچھ اور ہی کہتے ہیں جس سے ندوی صاحب کی نظر پر کی نفی ہوتی ہے۔ جناب مدنی تحریر فرماتے ہیں

سید صاحب کا اصل مقصد پچھلے ہندوستان سے انگریزوں کے تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے اس بنا پر اپنے اپنے ساتھ ہندوؤں کو حرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انھیں بتادیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے ہندوؤں کو لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے اسکے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہونگے ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں حکومت کرنیگے۔

(نقش حیات ص ۱۹۱ مولانا حسین احمد مدنی)

چنانچہ اسی سلسلے میں سرحد سے ریاست گوالیار کے مدارِ اہم اور مہاراجہ دولت راج
وزیر اور برادرِ نسبتی راجہ ہندو راؤ کو جو آپ خط تحریر فرمایا تھا وہ خود سے پڑھنے کے قابل ہے ۱۱
اصلی عزم اور ملکی حکومت کے متعلق آپ کے نقطہ نظر پر روشنی پڑتی ہے ص ۴۹ اور پھر مولانا
صاحب مدنی سید ابوالحسن صاحب ندوی کی کتاب ”مسلمانوں کے تنزل سے دینا کو کیا نقص
کے حوالہ سے وہ خط بھی نقل فرماتے ہیں۔

دفعہ ۱۱ میں ہندوستان اندیگا نگل خالی گردیدہ و تیرسی الیشاں بریدن مراد سے
مناصب ریاست و ریاست لطالین آن مستلم باد یعنی جو وقت ہندوستان ان
ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائیگا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ
جائیگا حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں کو ملیں گے جن کو اپنی طلب ہوگی
(دفعہ ۱۱ حیات ص ۴۹)

کیا یہ ارشادات انھیں کے متعلق نہیں جن کا دہلی کی مکرر حکومت کیلئے اٹھنا ان کے منظم
نہیں تھے اور یہاں پورا قمر جہاد ہندوں کو بخش دینے کیلئے تیار ہیں۔ جناب مدنی اپنی اسی کتاب
میں اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

ہندوں سے اختلاف مذہب کی بنا پر آپ کو پرخاش تو کیا ہوئی آپ کمپنی کے ہاتھوں مغلوب
اور پامالی میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں مانتے تھے اور جہاد سے آپ کی غرض دونوں کو
اجنبی اقتدار کا محبت سے نجات دلانا تھا۔ کامیاب ہونے کے بعد ملکی حکومت کا تختہ الٹنا
اسکا فیصلہ آپ طالبین ریاست و ریاست پر چھوڑتے ہیں۔

مگر ہندوں کو اطمینان ضرور دلاتے ہیں کہ وہ سید صاحب کی کوششوں کو اپنی ریاست کی بنیاد
کے مستحکم ہونا باعث سمجھیں۔۔۔۔۔ بیشک سید صاحب جگہ جگہ اٹھائے کلمہ اللہ اور دین
رب العلیٰ کی خدمت کا ذکر کرتے اور اسی کو اپنی ساعی کا شکر بتاتے ہیں۔ لیکن آپ خوب
سمجھتے ہیں کہ اٹھائے کلمہ اللہ کا ذکر صرف یہی نہیں ہے کہ۔ ایک فرقہ دار گورنمنٹ
حاکم کیجائے اور خود حاکم بن کر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے۔
بلکہ اس کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ برادران وطن کو سیاسی اقتدار میں

بکر کے اسلامی فضائل اخلاق سے ان کے دلوں کو فتح کیا جائے۔

۱۲ اکثریت کے مسئلہ کی کوئی پیچیدگی آپ کے ذہن میں نہیں تھی کیونکہ آپ کے نزدیک دلوں
۱۳ میں جیت جیتی تھیں۔ بولنے عمل میں سب زیادہ پرکوش، خدا کار، مرگم اور مخلص
۱۴ دار ہوگا امامت اور لیدر شپ اسکے ہاتھ میں ہوگی خواہ وہ اقلیت کے فرقہ سے
۱۵ تھے یا اکثریت کے فرقہ سے

(دفعہ ۱۱ حیات ص ۴۹)

۱۶ یہ جہاد فی سبیل اللہ خادیتہ فوجیہ اللہ کی المناک غرض و غایت۔ جو بقول مدنی صاحب
۱۷ ست کسب عین سہائی تھی اگر غور کیا جائے اور صاحب حسین احمد صاحب مدنی کی تشریحات کو مد نظر
۱۸ راس جہاد کا درستہ کتاب سنت سے ہوتے ہوئے جہاد کے موجودہ نظام سیکولر صیٹ تک
۱۹ تعجب ہے کہ سید صاحب کے مداحین پھر بھی اسے خالص جہاد فرماتے ہیں۔

۲۰ دی صاحب فرمیں کہ ہم لوگ کیا کریں۔ آپ کی توضیحات قبول کریں، یاد دہندہ کے شیخ الحدیث
۲۱ کو مانیں مذکورہ مندرجات سے کئی انہونیائیں سامنے آ رہی ہیں مثلاً یہی کہ دہلی کی حکومت کو
۲۲ کیا جاسکتا! کیونکہ وہ خاندانی اور شخصی تھی۔ مگر ہندو راجاؤں کو یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ
۲۳ اس کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم سمجھیں۔ اور یہ بھی غور کریں کہ بات ہے کہ ”حکومت علی منہاج النبوة“
۲۴ جو وقت کہاں جا پہنچتی ہے جب کہ اس خالص جہاد سے حاصل کردہ حکومت الہی کو مولانا مدنی
۲۵ مختلف قرار دیتے ہیں اور دوسری حضرات خلافت راشدہ کا نمونہ بنانے پر اصرار فرماتے ہیں۔
۲۶ لہذا اس طبقہ کا کوئی ایسا فرد ہے جو اس ”فرقہ دار گورنمنٹ“ کی وضاحت کر سکے۔ اے صحیح یہ ہے
۲۷ اس وطن، دوسرے نفظوں میں ہندوں کی ہوا خواہی اور چاہت نے مولانا مدنی سے ایسی ایسی
۲۸ باتیں کہیں پڑھ کر کہ ایک مخلص مسلمان لرز اٹھتا ہے۔

۲۹ اب مولانا مدنی سے کون پوچھے کہ حضرت خیر المومنین (رد و رسالت میں) اور پھر وہ خلافت
۳۰ مد مکرمہ اور مدینہ منورہ اور ان کے اطراف و جوانب میں مشرکین و یہود اور نصاریٰ آباد تھے یا نہیں
۳۱ ایک اصطلاح میں ”برادران وطن“ تھے یا نہیں۔ اگر تھے تو انھیں کیوں اسلامی حکومت میں
۳۲ نہیں کیا گیا۔ کیا آپ اس حکومت کو ”فرقہ دار گورنمنٹ“ کہہ سکتے ہیں!

ہیں قرآن اول میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ حکومت برادران وطن کے سپرد کر کے
کی ماری جا رہی ہو جو خود دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ علمائے کرام کے اس منشیانہ طبع نے اپنے اسلامی اخلاق
کتنے "برادران وطن" کو دوزخ سے نجات دلائی ہے؟ اسکے خلاف اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ
تو بات بالکل برعکس نظر آتی ہے مثلاً یہ کہ عزارات کے بجائے، سادہ پرپھول چڑھانا
بجائے رام ٹیلا کی تیاری کرنا۔ یا رسول اللہ کے بجائے، گاندھی جی کی بے پیکارنا۔ دو
کے بجائے۔ بندے ماترم کے ترانے گانا۔ رواداروں میں دھیمے گاؤ کو ممنوع قرار دینا وغیرہ
سے بھر بھی کہتے ہو پھول جاؤ مجھے۔ بخدا میرے بس کی بات ہے۔

بات شخصی حکومت کی
رہی بات شخصی حکومت کی تو یقیناً اس حکومت کو
منہاج النبوة نہیں کہہ سکتے۔ مگر عرف عام میں اس

حکومت کو کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ بھی نہیں تو مسلمانوں کی حکومت ہی کہہ لیجئے درنہ تیرہ صدی
راستہ تاریکیوں میں گم ہو جائے گا۔ دور بنو امیہ، دور بنو العباس، دور عثمانی و ترکی، جسکے
خلافت چلائی گئی۔ اور پھر خلیفوں، علویوں، سلجوقیوں، غوریوں، غزنویوں، مغلوں، افغان
مستقل بھی دریافت کیا جائیگا کہ انکے متعلق کیا فرماتے ہیں علمائے دین!

اور پھر ان سب کے بعد ہم یہ بھی پوچھیں گے کہ حکومت سعودیہ عرب کے متعلق آپ کے کیا
گے جسکے احیائے قرآن و سنت کا نفاذ پورا قافلہ بڑے مشدود سے بجا رہا ہے۔ اس کی کہ
جناب شورش سے سنئے وہ کیا فرماتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے بھی ساری عمر اسی مکتبہ فکر کی
ہمنوائی فرمائی ہے۔ اور موصوف کہیں علمائے دیوبند کی صف اول کے جانیبا زوں میں
آخری عمر میں جناب مودودی صاحب اور ان کی جماعت سے بڑا گہرا تعلق قائم ہو گیا تھا
شورش کی اس جرأت پر علمائے دیوبند اتنے برہم ہوئے اور انکے خلاف ایسی دل آزاں زبانیں
لیں کہ وہ ان علمائے کرام کے ساتھ جنت میں بھی جانے کیلئے تیار نہ تھے۔

ادرجب پانی سر سے گذر گیا اور الزامات و بہتان کی یلغار حد سے گذر گئی تو باہر چھوڑی
نے بھی دھواؤں کی باگ ڈوبی کر دی۔ جناب شورش گھر کے بھیدی تھے ان مقدسین کو گھر سے

سارش کو بے نقاب کیا۔ نہ حکمران نجد کی شمشیر بریں، نہ علمائے دیوبند کے دھار دار قلمائے
دی صاحب جیسے لوگوں کی ہلاکت خیر تحریریں لکے سید راہ نہیں۔ فستاتے ہیں

ہوئی حکومت قرآن اول کی حکومت نہیں! آجکی بادشاہت ہے۔ بادشاہت
سائے نبی نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی یادگار ہے اور ہم نے اپنے لئے اسے مشرف
سہام کر لیا ہے۔

شب جامیکہ من بودم ملا شورش کا شمعیری

باب شورش علمائے دیوبند سے متعلق ہونی کے باوجود قبول کا انہدام اور آثار مقدسہ کی پامالی
انہتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

لوگ اسکا نام خزانہ و سنت کے احکام لکھتے وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے۔
پنے اپنے محل بناتے محمد عربی کی دولت جیسے اور اسکا نام خزانہ شامی لکھتے ہیں
مذاہبات اقدس کے صدقہ میں عزتیں پاتی ہیں انکے آثار اقدس کی یہ بھرتی!

برقرآن و سنت نہیں امانت اور صریح امانت ہے۔ اللہ کی زمین اور انکے دینیہ نہیں
کی خلق کے مال میں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسان کا گلہ بنالے، خود چرواہا بن
جائے، گوشت کھائے کھالیں پیچ ڈالے۔ موت کسی کا بھیجا نہیں چھوڑی۔ جو
موت کی اس طرح ہنک کر رہے ہیں..... لیکن جنت معلیٰ میں وہ لوگ صوبہ ہیں
وہیں زندہ کر گئے، ہمیں بھاد سے گئے۔ جو نہ پھیر کر شاہوں پر نگاہ کرتے تو انکی
گوڈڑیوں سے خلعت فاخرہ کانپ اٹھتے تھے سعودی حکومت عشق اور شرک
میں فرق نہیں کر سکی ہے۔

شب جامیکہ من بودم ملا

ان کا استیصال
سید صاحب کے جہاد کے سنبھلے مقاصد میں قبر پرستی کا استیصال
بھی تھا چنانچہ جناب سعود عالم صاحب مذہبی اپنی کتاب
استان کی پہلی اسلامی تحریک، میں "دعوت اور مشن" کے عنوان سے تحریر
ماتے ہیں۔

سید صاحب کی دعوت خالص کتاب وصفت کی دعوت تھی بدعت و ان کا مشن تھا۔ وہ دین شہری میں عہد فاروقی کی پاکیزگی اور شوکت پیدا کرتے تھے توحید خالص کی تبلیغ قبر پرستی کا استیصال مراسم تفریح کو بیخ و بن چھینکنا اور نکاح بیوگان کی ترویج ان کی دعوت کے اہم اجزاء تھے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مد ۱۳

مسلمانوں پر قبر پرستی کا الزام نہایت سنگین الزام ہے۔ دنیا بھر میں جہاں کہیں ہیں کہیں بھی قبر پرستی نہیں ہوتی مزار اور صاحب مزار کے احترام اور قاضی خوافی کو پرست تعبیر کرنا بہت بڑا المیہ ہے۔ سیدنا فاروقی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اس مزارات کو منہدم اور پامال کرنا انتہائی بربریت ہے۔ شاید ہی وجہ ہے کہ تمام دہ توحید کے فروغ کیلئے قبروں کے انہدام اور استیصال کو جزو ایمان بنا رکھا ہے کہہ سکتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کی قبروں کے انہدام میں یہی جذبہ کاغذ ہوا تھا۔ چنانچہ دہا سجاد مقدس پر غلبہ و استقلال کے بعد جشن فرخ قبروں کی پامالی ہی سے شروع کیا تھا۔ یہاں یہ بحث نہیں کہ اسکی شرعی حیثیت کیا ہے اس باب میں علمائے کرام لکھا ہے کہ مزید کی ضرورت باقی نہیں رہتی میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اور اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کے بارے میں ان موحیدین مقدسین کا طرز عمل کیا یہی جناب محمود عالم صاحب ندوی اپنی اسی کتاب "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک تفصیل سے ایک تبادلہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جب بیس سال کے بعد انڈمان سے واپس ہوئے (مد ۱۳) تو خاندانی قبرستان کا منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور کراما کا تبیین کی انتہائی سختی کے باوجود آنکھوں سے خون کے قطر ٹپک پڑے۔ میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو کہیں چھوہ پشت سے ہٹا کر اجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے جاکر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر اللہ لہما کے مزار کی زیارت کر دوں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں مگر ہر چند کوشش کی پتہ نہ ملا بعد تجسس و تفحص بساا غور فکر کے قرینہ سے معلوم

والدین ماجدین کی قبر کھود کر اس پر بنائے عمارت میو فیصلی بنا دی گئی ہے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مد ۱۳

۳۱ پر مزید تحریر فرماتے ہیں۔

ناظرین! اس وقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کیساتھ کی گئی جو مردوں کے بیروں از حیضہ تحریر و تقریر ہے اس وقت اس کی یاد سے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات و آباؤ اجداد کی سون کھودی گئیں اور وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا "عادل گورنمنٹ" نے یہ کام کیا۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک مد ۱۳

اس کا جواب تو "عادل گورنمنٹ" ہی دے سکتا ہے کہ اس نے کیوں ایسا کیا۔ البتہ بلا جرم عابری پامالی ہو سکتے ہیں تو یہاں کوئی چیز مانع ہے۔ سچے حضرات! اختلافات نظریات قبروں کی اس پامالی کی تائید نہیں کر سکتے۔ انگریزوں نے وہ بیان صادر کیا کہ قبروں کو ہٹائی سنگولی کا منظر ہو گیا ہے۔

فات عمل بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنکی آنکھیں مقبرہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ مرہ شہدائے بدر و احد، روضہ فاطمہ الزہری، آرام گاہ شہدائے کربلا کی پامالی اور انکی کہ نہیں ہوئی تھیں۔ اب ان کی آنکھوں سے کڑا ناکا تبیین کی انتہا زور آوری کے باوجود سے ٹپک رہے تھے۔

حضرت تاریخ اپنے اوراق الہی ہے۔ اور تلک الایام نڈاؤ لہما کی تفسیر ہر دور میں لکھی عرب اور حجاز مقدس میں انگریزوں کی مدد سے نجدیوں نے جو کچھ کیا۔ قدرت نے ان کے ہاتھوں ہندوستان میں انکے موحیدین کیساتھ وہی صورت پیدا کر دی۔

ندوی صاحب کیا فرماتے ہیں۔

کی دعوت کے علمبردار شیخ الاسلام محمد ابن عبدالوہاب کی نسبت کرنا تو خود ہی کہنا ہے۔ البتہ عزم و عمل کی مرہ قوتوں کو بھیلو کیا۔ یہ جان بیکروں میں نہ نہ گم کی حراوت

ڈال دی اور پورے خطے کو اسلامی رنگ میں شرب اور کر دیا۔ یہ ایسا گناہ
خاطر ان فرنگ اور ان کے جوڑواہ معاف نہیں کر سکتے۔

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

جہاں شریعت کی فراروائی ہے

کاش ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مذہبی
اور سکی حمد و ثنا میں مذہبی صاحب

لوگ دعوت کھا کر فطرت لیکر، شب و روز طلب اللسان نظر آتے ہیں۔

اس باب میں جناب شورش کے علاوہ ہم میں سے کوئی کچھ کہہ نہ سکتا تو کھرام بی بی ما
لہڑاٹھتے اور نہ جانے کتنی آنکھیں خون اگلنے لگتیں۔

یاد رہے کہ جناب شورش نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک ایسی دستاویز اور ایک ایسی
جس سے انکار ممکن نہیں۔ لکھتے ہیں۔

غارتور۔ اس پر اس کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے لیکن بادشاہ
قصر آن وصنت کی آڑ میں اس پر ایرانی کی دیوار کھینچ دی ہے۔

(شب جانیکن من بوم ۲۵)۔

اور صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔

ان کے ہاں سب سے زیادہ خطرناک چیز کتابیں ہیں، اخبار اور رسالے میں اصل
زبان کی ہے۔ کلام اللہ کا اردو ترجمہ یہاں روک لیا جاتا ہے۔

لیکن لبنان کے عربی بڑا مذہب و مسائل بالخصوص جن میں حوالی بیٹیوں اور زمین کی
نشینوں کا خورہ نمایاں ہوتا ہے ہر قدغن سے آزاد ہیں۔ وہ روزانہ آتے اور

بکھتے ہیں اور ان کی خریداری و فروشی میں بکثرت ہوتی ہے۔ ان بہت اور نیم
رسالوں پر کوئی پابندی نہیں۔ پابندی اس شریعت پر ہے۔ جبکہ متعلق یقین کہ

ہو کہ اس میں مزاج شاہی پر چوت پڑتی ہے۔

(کتاب مذکور ص ۲۵)۔

مولد النبی (نذہ ابی دمی) کی زیارت کے بعد لکھتے ہیں۔

ی اور صیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پاس کھڑا ہو جاتا کہ
ہا ہے؟ حضور کی زندگی یاد آگئی ان مکہ والوں نے حضور سے کیا سلوک
شکر ان کے مکانات سے کوئی سلوک کرتے۔

کی زیارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

ام کی دو چار چیزیں محفوظ کرنی جائیں تو عیب کیا ہے؟ اس سے قرآن و سنت کی
دروزی کہاں ہوتی ہے اور کہاں منشاء الہی کی نفی ہوتی ہے۔

مت خود کو بھی تو محفوظ کر رہی ہے۔ اگر شریعت کا اتنا ہی خیال ہے تو شریعت
س ہے کہ جبل نوریتیم پڑا ہے اور اس کی نگہداری سے قطع نظر کیا جائے۔

سنت کے احکام معاشرہ اور ریاست کیلئے ہیں آثار و مظاہر کیلئے نہیں۔
مجان اجتہاد لازم ہے وہاں اجتہاد کا نام بدعت بلکہ بغاوت رکھ دیا ہے۔

اعاٹے راشدین کیا اپنے ساتھ حفاظتی دستے رکھا کرتے تھے۔ وہ طیاروں میں
رہتے پھرتے تھے۔ کیا انہوں نے گرام اور صوبا کے دارالحکومت بنائے تھے۔ کیا ان

رہل اور قصر تھے۔ کیا ان کے لئے میاں تھے۔ وہ شامانہ کرد فرستے تھے۔ کیا ان
رہتے تھے۔ انہیں جلالتہ الملک کہا جاتا تھا۔ وہ فلک بول عمارتیں کھڑی کرتے

تھے وہ سونے کے زیوروں اور لہشم کے کپڑوں میں تلے تھے۔ وہ ٹیلیوژن لگاتے
تھے۔ جب نئے دور کی سب چیزیں قبل کر لی ہیں تو ایک تاریخ اور ان کے خزانے ہی

اب ہیں جنہیں محفوظ رکھنا بدعت ہے۔

یا خلافت صفت یہ سب اللہ کے نبی کی آخری نشانیاں ہیں۔ تاریخ کے
جو اہر ریزے اور عقیدے کے شرباے ہیں انہیں سے تاریخ کو تحقیق اور زائروں کو عشق

کی راہیں ملتی ہیں۔ غار و اسیرت النبی کا پہلا پڑاؤ ہے۔ اب تک وہاں حضور کے
ذہن کی چاپ بنگالی رہی ہیں۔ اور ان کے ہونٹوں کا ارتعاش جہاں گھلا ملا معلوم

ہوتا ہے۔۔۔ سلام ہوا ہے جبل نور سلام ہوا ہے غار حبرا

شب جانیکن من بوم ۲۵

بدر کی زیارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں!

ان کی قبریں آج وارثانِ صمدت کے اعتقالات پامال ہو چکی ہیں تاریخ کے وہ غلبہ
نحو ہوتے جا رہے ہیں جنہیں عقیدہ اور الجھل نہ مٹا سکے انہیں ہم اپنے اعتقالات کو
..... یہ قرآن و صمدت نہیں یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاروں
جائیں اور اپنی یادگاروں کھڑی کج جائیں۔

شعب جائیکہ من بودم ۱۲۵

احمد کی زیارت کے بعد لکھتے ہیں۔

اس احمد کے دامن میں زمین سے دوڑنے بلعداد پہاڑ سے ڈھیروں نیچے ہنسنے
عبداللہ ابن جحش اور مصعب ابن عمیر کی قبریں ہیں لیکن آلِ موعود کی شرعی یادگار
ہمو اور دی ہیں۔ ... ہندو نے حمزہ کا کلیجہ جیایا تھا لیکن انہوں نے حمزہ کی قبر پہاڑ
کتاب مذکور صفحہ ۱۴۵

اور پھر لکھتے ہیں۔

ان مزارات کی بھڑکی کا نام ان کے نزدیک قرآن و صمدت ہے کیا انہیں درختوں کے اس
سفینے کی عظمت کا اندازہ نہیں... مگر اسی رد کرنے کی آڑ میں یہ تحریر جانتے ہیں؟ کیا عشق کا نام
سروں کی لغت میں شمر کر ہے... میں عربی سے واقف ہوتا تو کو دھوا اور جلی اچھو کر
ہو کر لکھتا اے محمد کے ہم وطنو تم نے جنت البقیع میں بن بھر دیا کہ ہمارے دل کے شیش
توڑ دیے ہیں اور اب ان میں کوئی صند باقی نہیں رہی ہے۔

شعب جائیکہ من بودم ۱۲۵

ذکر جب چھر گیا قیامت کا

قادرین! نہ چلبھنے کے باوجود بھی بات بڑھتی
اور مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا۔

پس یہ ہے کہ کچھ بڑے لوگوں سے چند غلطیاں ہو گئی تھیں جن پر دردمند لوگوں نے
تھا۔ اور ان غلطیوں کی نشاندہی کی تھی۔ مگر اصلاح قبول کرنے کے بجائے ہند اور برص
کا طر لہر اختیار کیا گیا اور ایک نہ ختم ہونے والی سر جنگ شروع ہو گئی۔ اور حالات یہاں تک

یت و طریقت میں ایک تھے جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

لوگوں نے یہ کیا کہ اپنی بات لکھنے کیلئے تاریخ کے چہرے کو مسخ کر ڈالانا کہ اپنے محمد حسین
آٹھا کر عرش پر بٹھا سکیں۔ اور دوسروں کو عظمت کی بلندیوں سے مذلت کی گہرائیوں
دیں۔

جس طرح بلند بالا پہاڑوں کے دامن میں وسیع زمین کی پرسکون تہوں میں اور ناپید و گناہ
لی گہرائیوں میں بے شمار خزانے اور بے پناہ عجائبات دفن ہیں۔ اسی طرح تاریخ کی
ہی گونا گوں حالات و واقعات سے ہمیز ہیں اور اصل شکل و صورت بہر حال نظر ہو کر رہتی ہے
نظر کتاب پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علما نے حق اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک
سیاسی، مذہبی، اجائزہ ہے اس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے اور جہاں تک میں
اس دور میں اس کی سخت ضرورت ہے۔

اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ صحیح صورت حال کا اظہار ہی لوگوں کو غلط فہمیوں
سماتا ہے۔ آج حقیقت حال کی واقفیت ہی کی وجہ سے ایک بہت بڑا طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ
سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کی تحریک جہاد نے انگریزوں کو
ایذا کم کر دیا تھا۔

دیر کی پٹھان ظالم اور منافق تھے۔ نہادین مظلومیت کی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ مگر
ان کے بائبل پر عکس ہے۔ افسوس کہ ماضی میں پٹھانوں کے نقطہ نظر جاننے کی کوشش
ان اور یک طرفہ فیصلہ ہوتا رہا۔

• صحیح یہ ہے کہ سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے ایک ٹرائی بھی نہیں
لی۔ مابین خاخصا بمبائی پہاڑ رہا ہے۔ البتہ پٹھانوں پر انہوں نے عرصہ حیات ضرور تنگ کر دیا تھا۔
برائیاں بے دریغ ٹوٹا اور قتل کیا گیا۔ بلکہ انکی عصمت کو بھی پامال کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ پٹھانوں ہی
باعتدال ہند کی دہائی تحریک اپنے خوفناک عزائم کیساتھ انجام کو پہنچ گئی۔

• اسی طرح جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انکی کوئی خاص خدمات نہیں۔ یہ لوگ انگریزوں کے خوف
نہیچے پھرتے تھے۔ بلکہ جرئت پسندوں سے جنگ کرتے تھے مگر جانبدار مذکوروں نے انہیں

پاکستان کو دوچار ہونا پڑا۔ اور اسلام کے ان منافقوں اور غداروں کو بے نقاب کر کے سامنے کھڑا کیا جائے۔ جو گاندھیری فلسفہ کے مؤید اور حمایتی بن کر قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔

در مقدمہ تحریک پاکستان اور بینات علماء جوہدی حبیب نامہ الحاصل۔ اس کتاب میں علامہ حق (علامہ اہلسنت) پر مارا اور لڑنے کے لئے جہاد کا بیڑہ بکھرا گیا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی ان بے انصافیوں کا بھی ذکر ہے جو جانبدار تہذیب کے علمائے حق پر روا رکھی ہیں۔

اہل قلم کی بے انصافیاں جہاد حیرت بخش اور اسکے قایدین و مجاہدین میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ لوگ لیتا اور

تھے کہ تاریخ میں ان کے نام سترے حروف میں لکھے جائے چاہئے تھے مگر اس دور کے ان نگار حضرات نے ان کے ذکر میں نہ صرف یہ کہ محنت بے احتیاطی کی ہے بلکہ انتہائی بددیانتی بھی ہو گئی ہے۔ اس باب میں یہ بات بلا خوف تردد یہ کہی جاسکتی ہے کہ وہ مذکورہ جنسین و غدار مسکرات ہونے کی حیثیت سے استبداد کی ان اہوا گشتیوں میں تحریر و تقریر کی حاصل نہیں مجاہدین عسکریہ کی نہایت ظالمانہ انداز میں کردار کشی کی ہے۔ بلکہ تاریخ کسا ایسا گھناؤنا اور دل آزار مذاق کیا ہے کہ اب اسکا ازالہ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے ان حضرات نے آؤ تو جہاد حیرت کے جانبا زوں کا ذکر ہی نہیں کیا ہے اور اگر کہیں کا نام آج بھی گیا تو اس قدر استخفاف اور حقارت سے کام لیا گیا ہے کہ اسکے پڑھنے سے دل لرزے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اگر بنظر تحقیق دیکھا جائے تو قلم ایسے لوگوں کے ہاں نظر آتے ہیں جنہیں پروردہ سرکار کہہ جائے تو کچھ غلط بات نہ ہوگی۔ جو اپنی عام تر ظاہری کے باوجود عناد اور جانبداری کی گشت سے آلودہ نظر آتے ہیں

جانبداری کی ان حوصلہ شکن تاریخوں کے باوجود پوسے یقین کیا تھا کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہیں جب صداقت کی روشنی پھیلے گی اور غدار و جفا کے تہہ در تہہ گھیر بادل وفا و مصفا کی دیر کر فوں کو تادیر نہیں دوکھ سکیں گے۔ اور عظمت کی خود ساختہ بلندیاں زیر و زبر ہو جائیں گی

اہل قلم کا فرقہ عظیم

اس دردناک نظر اندازی کا شکوہ صرف ہمیں ہی نہیں بلکہ ہر اس اہل علم اور اہل قلم کو ہے جس میں ذرا بھی انصاف کی خوب بانی ہے۔ چنانچہ جناب رئیس احمد جعفری اپنی معرکہ الارا تصنیف "دہلیادشاہ ظفر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

علامہ فضل حق علیہ الرحمہ کی شخصیت، اصرت، کردار، اور علم و فضل پر ضرورت تھی ایک مفصل کتاب لکھی جاتی لیکن وہ ایک خود فراموش قوم کے فرد تھے۔ فراموش کرنے گئے اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کر بیٹھے۔ یہ کون بزرگ تھے دہلیادشاہ ظفر اور ان کا عہد ۸۵۵ھ میں احمد جعفری

وقت یہ ہے کہ ان عظیم المرتبت لوگوں کی کردار کشی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کی گئی مجاہدین جنگ آزادی کے مہر و ماہ کی طرح چمکتے دھمکتے پہروں پر جس طرح لوگوں نے اپنے دلی دل میں اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور اب ایک طویل عرصہ گزر جائیکے بعد اس دار کا نام نہ نظر آتا ہے۔

انہ نظر ز عمل اس سلسلے میں جناب جعفری فرماتے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں جو چیز قطعیت کیساتھ نظر اندازی کی گئی ہے وہ ہے مجاہدین کا ذکر۔ کلا اللہ تک نے اپنی تاریخ میں انھیں "وہ لٹا شہید" قرار دیا ہے۔ ڈیڑھی فیذا احمد نے، سرسید نے اور دوسرے بزرگانِ ملت نے جو لکھا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات یا تو ان مجاہدین کے وجود سے ناواقف تھے یا اگر واقف تھے تو نہ صرف یہ کہ انھیں اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ان کے جذبہ اور کردار اور عمل کا استحقاق کرتے نہیں تھے۔ ان کے انداز میں اتنی بددیوانی و غیرت اور پرغنا و اجنبیت ہے کہ اُسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ لیکن خود ان لوگوں نے اور ان کے آقا یاں دلی نعمت یعنی انگریزوں نے استاذی بنوٹ کو سامنے رکھ کر جو حالات لکھے ہیں جو واقعات قلندر کے ہیں جن کی قیامت کا جائزہ لیا اور تجزیہ کیا ہے انھیں پیش نظر رکھتے تو ان کے مخالفانہ اور مبالغہ آفرین مہذب اور ناشائستہ الفاظ و لب و لہجہ کے باوجود بین السطور سے ان مجاہدین کا روشن بلند اور سرشار

شک کدھار صاف جھلکتا نظر آتا ہے جیسے پتھر و تاروت میں بجلی چمک مارا جیسے گھنے بادلوں کی اوٹ سے سورج جھانکتا ہے جیسے یاروسیوں کے اوٹ کوئی کرن چھوٹی ہے۔

بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ۱۸۵۸ء

تذکرہ نویسوں کی چشم پوشی

ہندوستان کی سیاسی تحریک میں علماء کا جقدر شاندار کامنامہ اور جذبہ و مظاہر ہے اسکی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی البتہ انڈیا کے اقتدار و افلا کے خلاف سب سے پہلے علماء ہی کی آواز مخالف اٹھی انھیں علماء کا پہلا شخص جو سرکار عمل میں آیا احمد شاہ مدرس تھا اسکے ہونے کا کثیر التعداد علماء اٹھے جو ایک مل و تدلیس و تصنیف و تالیف میں لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف سیاست ملک بے لے ہے تھے۔ ان میں نمایاں شخصیت مولانا امام بخش مہبائی شہید مولانا (خیر آبادی مفتی صدر الدین آزاد) کو اب خفیہ مولوی عظیم اللہ کانپوری۔ منیر آبادی تھے۔ مگر انھیں کہ ان بزرگوں کے سیاسی حالات تذکرہ نویسوں نے چشم (خود کے چند ملک اور مفتی انتظام اللہ شہابی)۔

جوش و ہامیت

اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ ان بزرگان دین کی کردار کشی اختلاف کو بہت بڑا دخل تھا۔ چنانچہ جناب رئیس احمد جہا

مقام پر بطور وضاحت ان جانبدار مصنفین و مؤرخین کے بیدار نہ رویہ کا ذکر کرتے ہیں مولانا جعفر نقاشی سرائی نے سب کچھ لکھا ہے لیکن رفقاء زندان کے ذکر سے ما گریز کیا ہے حالانکہ اس دور میں چوٹی کے مسلمان انکے ساتھ کالے پانی میں زندگی بڑے استقلال و وقار کیساتھ بسر کر رہے تھے۔ حق بات یہ ہے کہ پرورانا اور تحریک و ہامیت کا جوش اس قدر نمایاں اور غالب تھا کہ وہ اپنے اور اپنی کے سوا کسی اور چیز کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے تھے (بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ۱۸۵۸ء)

بے کہ جہاں انانیت اور خود غرضی، تعصب و تنگ نظری کا یہ عالم ہوتا اور جن لوگوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہو ان سے اور انکے عقیدین سے کسی مرضانہ دیا ستداری کی کیا توقع چنانچہ جناب رئیس ہی فسراتے ہیں۔

میر نے محمود خاں کا نام "نامحود" اسی طرح شمس العلماء مفتی ذکاء اللہ

ت خاں کو "کم نجات خاں" کے نام نامی اہم گرامی سے یاد کرتے ہیں لیکن یہ بھول

نے ہیں شکستہ کے الفاظ میں گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی یاد کر د گلاب کا پھول

(بہادر شاہ ظفر اور انکا عہد ۱۸۵۸ء)

انہ انداز تحریر

جناب رئیس احمد صاحب جعفری نے ان صاحبان بصفت و قلم کے نمائندہ انداز کی ایک توضیح بھی فرمائی ہے جس سے کم از کم یہ ناچیز

س کر سکتا۔ جناب رئیس فسراتے ہیں۔

ت خاں اور مولانا خیر آبادی کے احوال و سوانح، واقعات و حوادث، اکابر ناموں اور سرگرمیوں کی تفصیل معلوم کرنا آسان نہ تھا۔ ان کا ذکر عام دہشت اور سرسبکی کے انداز میں لکھنا اور خفا خفا بھی ڈر ڈر کر اور چبا چبا کر کرتے ہیں۔

آج ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ خود کا ذکر بھی کتنا روح فرسا تھا اور ان شخصیتوں کا تذکرہ انھوں نے اس انقلابی تحریک میں مردانہ وار حصہ لیا تھا اپنی جان سے بڑھتے دھونا تھا اگر بڑوں کی نازک و دماغی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور ذرا ذرا سی بات پر اور معمولی سے معمولی شے پر جو دھم کی بارش شروع کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اکابر کا کہیں ذکر نہیں ملتا اور اگر کہیں ملتا بھی ہے تو مخالفانہ اور معاندانہ انداز میں۔

کتاب مذکور ص ۲۳۵

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنگ آزادی کے اس خونچکا دور میں عظمت کے ان ماروں کا ذکر مصائب و الالم کا ایک پہاڑ توڑ سکتا تھا۔

مگر یہی بات مجاہدین آزادی کی عظمت و برائی کا انشان بن جاتی ہے۔ جنگ کے ذکر سے ہستہاری اور انھیں تعزین۔ جنگ نام سے گورنر کے مزاج پر ہم ہو جاتے تھے۔ جن کی قد آور شخصیتوں کے

سے ہمارے چوٹیاں پست نظر آتی تھیں۔ جنکے عزم و جدوت کے سامنے محمد پرار کی مثال
 لایے لوگوں کو فرنگی اور انکے ساتھ عاطفت میں بیٹھنے والے حاشیہ نشین کس طرح پسند
 ان مصنفین کیلئے کیا ضروری تھا کہ ان کا استغناء ہی کرتے اور انکی توبہ میں وندیل کہ
 فتح نجات بنانے مگر پھر سے ایسا کرتے تو سید احمد سے خال کس طرح کہلاتے۔ منشی ذہ
 اس العلماء مفتی ذکا داند کیلئے جنت و طائف کس طرح ملتے۔ جاگیر میں صلہ میں حاصل ہو
 بھرت تو یہ ہے کہ آزادی کے اس دور میں بھی انھیں سفارت کی ذریات کا ایک
 برائی اختلاف کی وجہ سے تاریخ سے ہونا تک بددیانتی کر رہا ہے۔

اس کے باوجود روشنی پھیل رہی ہے۔ اور پھیلنے پر مگنی نانا نکہ افق افق اجالہ پھیل
 ہم بیسویں صدی میں ان تحریکات اور حوادث و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس دور کے
 دل کے متعلق ابھی رائے قائم نہیں ہو پاتے۔
 یہاں اسکے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ۔

کبھی تولائے گی باد صبا پیام ترا
 ہوا کے رخ پر نشین بنائے بیٹھے ہیں

ابن عبد الوہاب اور برطانوی جاسوس ہمفرے

قریب قلم کتاب پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علامتی مکمل ہو چکی تھی کہ ”ہمفرے کے افتراء
 اب جناب مولانا محمد اشرف صاحب اشرفی کی وصاحت سے نظر سے گزری اور کتاب میں
 باب کا اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ میں نے اپنی کتاب ”پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علامتی
 شواہد کیساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ ”نجد کی وہابی تحریک“ برصغیر کی تحریک جہاد یاد دہرے مند
 ابی تحریک ”مشرق وسطیٰ کی مہجونی اور بھائی تحریک اور اسی قسم کی دوسری تحریکیں اسلام
 منتہی خوفناک اور گھناؤنی سازشیں تھیں جو انکے واقع ہونے سے بھی ساہا سال پہلے کا
 صوبے کے تحت مسلم علاقوں کو غیر مسلموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔

مثلاً مدینہ منورہ میں دہلی کو، اسکندریہ عیسائیوں کو، یزد پارسیوں کو، عمارہ مسابہوں کو، کران شاہ ملی
 کو، موصل یزیدیوں کو، اور بوشہر سمیت خلیج فارس کے قریب و جوار کے علاقے ہندوؤں کو

مقطوعہ خوارج کے حوالے کرنا۔ یہی نہیں بلکہ مادی امداد جنگی ساز و سامان اور فوجی اور
 ذریعے انھیں مضبوط بنانا بھی ضروری ہے (ہمفرے کے اعتراضات ص ۱۱۱)

ان تمام مختصر ایہ کہ ہمفرے برطانوی سامراج کا ایک ٹکڑا ہوا جاسوس تھا اسکو اور اس
 کو گرفتار برطانیہ اور انکے ساتھ ہی دیگر استعماری قوتوں مثلاً روس فرانس وغیرہ نے نو
 نے اور انکو استحقاق عطا کرنے کیلئے بطور خاص تیار کیا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے
 نے ہمفرے کی یادداشتوں کو ”اسپیگل“ نامی رسالہ میں شائع کرنا شروع کیا پھر
 میں یہ یادداشتیں شائع ہوئیں اسکے بعد ایک لبنانی دانشور نے عربی میں اس کا ترجمہ
 ہمفرے کے اعتراضات کے نام سے اردو میں (انجمن تہذیبیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن
 نے کیا ہے) کتاب پڑھنے سے جہاں سامراجی قوتوں کی درندگی و قہوہ آغاشی، فریب کاریوں
 کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کس طرح دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم
 بدعتی و خلفاء پیدا کرتے تھے اور یہ کہ یہ لوگ کس طرح اسی ملک کے مقتدر لوگوں کو اپنی
 کیلئے استعمال کرتے تھے۔ بلکہ اب بھی کر رہے ہیں۔

اباب کی کہانی ہمفرے کی زبانی اہل یوں تو ابن عبد الوہاب کی کہانی طویل ہی نہیں بلکہ طویل
 سے حلف و غلف نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے اور اسکی نظرت و جبلت اور اسکی خون ریزی
 ماہ کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ مگر اس برصغیر میں جہاں مرزا قادیانی کو نبی
 انجمن محسوس نہیں کی گئی وہیں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بدنام زمانہ انگریزوں کے ایجنٹ
 اباب کو امام نک کہتے سے ذرا بھی نہیں بچتے۔ انھیں ابن عبد الوہاب کی ہزار ایمان افروز اور
 در شرع محمدی میں شر اور نظر آتی ہے۔

اباب صاحب سعود عالم صاحب ندوی اپنی کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک میں لکھتے ہیں (نجد
 کے علمبردار شیخ الاسلام محمد ابن عبد الوہاب کی نسبت کرنا ہو تو محمدی کہنا چاہئے۔۔۔ البتہ عزم و عمل
 و توفیق کو بیدار کیا، عیسائیوں کو پکڑ کر زندگی کی حرارت ڈال دی اور پورے خطے کو اسلامی رنگ
 دے کر دیا یہ ایسا گناہ ہے جسے شاطرائن فرنگ اور انکے ہواخواہ معاف نہیں کر سکتے۔ ہندوستان
 کی اسلامی تحریک ص ۱۱)

اور اب آپ دیکھیں گے انکے شیخ الاسلام کس قماش کے شیخ تھے۔ اور یہ بھی ملاحظہ فرما
انگریزوں کا ہمنوا ہوا خواہ کون تھا۔ اور کن لوگوں کے ساتھ انگریزوں کی گاڑی چھنتی تھی اور
لوگ ہیں جنکے آباؤ اجداد (یعنی سید احمد بریلوی، مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ وغیرہ) نے
پرانگریزوں کو ترجیح دی اور انھیں کے متبعین و مقلدین نے قیام پاکستان کی وقت مسلمانوں
کو ترجیح دی تھی۔ ہمسفرے لکھتا ہے کہ بصرہ میں ان دنوں میں ترکھان کی دوکان پر کام کرتا
ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو وہاں آتا جاتا رہتا تھا اور ترکی، فارسی، عربی زبانوں میں
تھا وہ ایک اونچا اڑنیوالا، ایک جاہ طلب اور نہایت غصیلہ انسان تھا۔... شیخ محمد
حنفی، شافعی حنبلی، مالکی مکاتب فکر میں سے کسی مکتب کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی وہ کہتا ہے۔
جو کچھ قرآن میں کہنا ہے اس میں یہی سہاڑے لئے کافی ہے (ہمسفرے کے اعترافات)

انگریزوں کے مفاد کی تکمیل کیلئے مناسب شخصیت (پیر محمد بن عبدالوہاب سے میل و
ملاقاتوں کے ایک سلسلے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ برطانوی حکومت کے مقاصد کو عملی
کیلئے یہ شخص بہت مناسب دکھائی دینا ہے۔ اسکی اونچا اڑنے کی خواہش، جاہ طلبی، بغز
و دشمنی اسلام سے اسکی دشمنی اس حد تک خود سری کہ خلفاء راشدین بھی اسکی تنقید کا نشانہ بن
حقیقت کے سراسر خلاف قرآن و حدیث سے استنادہ اسکی کمزوریاں تھیں جس سے بڑی
سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔... شیخ محمد ابن عبدالوہاب (جو حقیقت کی تحقیر کرتا تھا اور اسے
اعتبار نہ سمجھتا تھا۔ محمد کہتا تھا میں ابوحنیفہ سے زیادہ جانتا ہوں اسکا دعویٰ تھا کہ نصف زمین
بالکل لچر اور مہرودہ ہے۔ اعترافات ص ۵۷)

ابن عبد الوہاب کی متعزازی (جہ عجیب بات یہ ہے کہ ابن عبدالوہاب جیسے شیخ الاسلام
کہتے ہوئے۔ کچھ لوگوں کی زبانیں نہیں تھکتی ایک برطانوی جاسوس سے بار بار علمی مباحثہ
کھا جاتا ہے اور متہ پر راضی ہی نہیں ہوتا بلکہ اسکا علمی مظاہرہ بھی کرتا ہے۔ اب یہاں اسکا
کیا کہا جاسکتا ہے کہ عروج و زوال ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہمسفرے لکھتا ہے کہ

جب شیخ متہ کرنے پر راضی ہو گیا تو اس گفتگو کے فوراً بعد میں اس بد قماش فطرتی
پاس گیا جو انگلستان کے نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کی طرف سے بصرہ میں مصمت

اور مسلم نوجوانوں کو بے راہ روی پرا بھارتی تھی۔ میں نے اس سے تمام واقعات بیان کئے
نہوئی تو میں نے اس کا معافی نام رکھا اور کہا کہ میں شیخ کو لیکر اسکے پاس آؤں گا۔ مقررہ دن
کو لیکر صفیہ کے گھر پہنچا جم دونوں کے صواوہاں اور کوئی نہیں تھا محمد نے ایک اشرفی
بنت کیلئے صفیہ سے عقد کیا مختصر یہ کہ میں باہر اور صفیہ اندر سے محمد بن عبدالوہاب کو اپنے
گراہوں کیلئے تیار کر رہے تھے صفیہ نے احکام دین کی پامانی اور آزادی رائے کا پرکھ منہ
دیا تھا۔ دہمسفرے کے اعترافات ص ۵۵)

لوہاب کی شراب نوشی (یہاں شراب کے بارے میں بھی ہمسفرے اور کچھ لوگوں کے شیخ
بحث ہوتی رہی بالآخر ابن عبدالوہاب پانی ملا کر شراب پینے کی حلت پر راضی ہو گیا ہمسفرے
میں نے شراب سے متعلق گفتگو کو صفیہ کے گوش گزار کیا اور اسے تاکید کی کہ موقع ملتے ہی محمد کو نشہ
دو اور جتنا ہو سکے شراب پلاؤ۔ دوسرے دن صفیہ نے مجھے اطلاع دی کہ اس نے شیخ کیساتھ
شراب نوشی کی یہاں تک کہ وہ آپ سے باہر ہو گیا اور جینے چلائے نکلا۔ رات کی آخری گھڑی
میں نے اس سے تعاقب کی اور اب اس پر نقاہت کا عالم طاری ہے اور چہرے کی آب و تاب
بے غلامہ کلام یہ کہ میں ابوحنیفہ پر ہی طرح محمد پر چھا چکے تھے۔ اس منزل پر مجھے نوآبادیاتی
ذہن پر کی وہ سنہری بات یاد آئی جو اس نے مجھے الوداع کہتے وقت کہی تھی اس نے کہا تمہارے
نادر مراد اہل اسلام ہیں) سے شراب اور جوئے کے ذریعے دوبارہ حاصل کیا اب انھیں طاقتوں
دوسرے علاقوں کو بھی پامانی کیساتھ لینا ہے۔ کتاب مذکور ص ۵۶)

اب کی نماز بھی گئی، اور یہودی بڑکی آستیتہ متعز [نادرک الصدواۃ متعز باز شیخ الاسلام، شراب
مربازی بھی زنا کاری کا جو نتیجہ نکلتا تھا وہ نکل کے رہا چنانچہ ہمسفرے لکھتا ہے جبکہ نتیجہ یہ
ت نماز کی پابندی چھوٹ گئی اب وہ کبھی نماز پڑھتا اور کبھی نہ پڑھتا خاص طور سے صبح کی نماز
ترک ہی کر دی تھی ص ۵۷)

ہمسفرے لکھتا ہے میں نجف اشرف اور کربلا وغیرہ سے جب بصرہ پہنچا تو وہ (ترکی جانے پر بلند
جہاں اس شہر کے بارے میں معلومات کرے میں نے بڑی سختی سے اسے اس سفر سے باز رکھا
ذہن پر کہ تم وہاں جا کر کوئی المی سیدھی بات نہ کر دیتو جس سے تم پر کفر و الحاد کا الزام عائد ہو

اور تباہ خون رائگاں ہمارے۔ لیکن سچی بات یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں جا کر وہ
سے کوئی رابطہ قائم کرے کیونکہ اس میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ لوگ اپنی فکر
دوبارہ اسے اپنے جال میں نہ پھانس لیں (۱۱)

بالآخر ہمبرفر نے ابن عبدالوہاب کو اصفہان جانے پر راضی کر لیا اور اسکے ساتھ
ایک گھوڑا بھی دیا۔ اسکے ساتھ ہی صفیہ بھی کچھ عرصہ بعد اصفہان آئی اور اس نے مزید وہ
سے متعلق شیراز کے سفر میں وہ اسکے ساتھ نہیں تھی بلکہ عبدالکریم رحو ایک برطانوی جاہل
ساتھ دکھا ہوا تھا شیراز میں عبدالکریم نے شیخ کیلئے صفیہ سے بھی زیادہ خوبصورت لائی
تھا۔ اور وہ شیراز کے ایک یہودی خاندان کی حسین و جمیل لڑکی تھی جسکا نام آسیہ تھا۔

انگریزوں کا مناسب ترین ایجنٹ ابن عبدالوہاب ہمبرفر کے لکھتا ہے محمد رضا
وزارت کا سب سے اہم مسئلہ تھا اس نے بڑی شدت سے تاکید کی تھی کہ میں محمد کو ایک مسلم
تحت الہ امور سے آگاہ کروں جنھیں آئندہ چل کر اسے ہمارے لئے انجام دینا ہے وہ بار بار اس

اعتراف کر رہا تھا کہ عظیم برطانیہ کیلئے میری تمام خدمات شیخ محمد جیسے شخص کی جستجو اور اس
تائیم کرنے کے مقابل میں پاسنگ بھی نہیں ہشت) پھر کچھ آگے چل کر ہمبرفر نے لکھتا ہے کہ
صرف اس مقصد کیلئے تھا کہ محمد ابن عبدالوہاب کو نئے دین کے اظہار کی دعوت پر آمادہ
دیکھ کر میری کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ محمد ابن عبدالوہاب قابلِ بھروسہ اور تو آبا دیا

کی وزارت کے پردہ گروں کو ردِ عمل لانے کیلئے مناسب ترین آدمی ہے۔ اسکے بعد گروں
گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہمیں محمد کیساتھ بالکل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں گفتگو کرنا
کیونکہ ہمارے عمائد اصفہان میں اس سے بڑی صراحت کیساتھ پہلے ہی گفتگو کر چکے ہیں
باتوں کو ان چکا ہے۔ مگر اس شرط کیساتھ کہ اسے عثمانی حکومت کے مقامی عمائد و علماء اور

لوگوں کے ہاتھوں آئیوئے خطرات سے بچا لیا جائے۔ اور اسکی حمایت اور تحفظ کا بھرپور انتظام
.... حکومت برطانیہ نے شیخ محمد ابن عبدالوہاب کو اسلحے سے ابھی طرح یقین کرنے کے بعد وہ
کے موت پر اسکی مدد کی تائید کی تھی اور شیخ کی مرضی کے مطابق جزیرہ العرب میں واقع
قریب علاقے کو اسکی حاکمیت کا یہاں مقام قرار دیا تھا (۱۲)

یہ خطرناک نکات اور ابن عبدالوہاب ہمبرفر کے اعتراضات کے مطابق تو آبا دیا
اب کیلئے چھ نکات مرتب کئے تھے جن پر ابن عبدالوہاب کو ہر صورت عمل کرنا تھا اور یقیناً
انہوں نے عملاً ثابت کر دیا کہ وہ قابلِ بھروسہ ہے اور وہ انگریزوں کے مفروضہ ہفت پر ہر حال پورا
وہ چھ نکات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ یعنی ابن عبدالوہاب کے مذہب میں شمولیت اختیار نہ کرنا۔ ۲۔ مسلمانوں کی تکفیر اور انکے
اور آبرو کی بربادی کی رو اسبھنا، اس ضمن میں گرفتار کئے جانے والے خلعین کو بزدل و فری کی ناکہ
ہام کی حقیقت سے بچنا۔

۳۔ برستی کے بہانے بصورت امکان غارتگری کا اہتمام اور مسلمانوں کو فریضہ حج سے روکنا اور
۴۔ جان و مال کی غارتگری پر قبائلی عرب کو اکسٹانا۔

۵۔ عرب قبائل کو عثمانی خلیفہ کے احکامات سے سرکشی کی ترغیب دینا۔ اور منافقوں کو ان کے
مک پر آمادہ کرنا۔ ۶۔ کام کیلئے ایک ہتھیار بند فوج کی تشکیل، انفرادی جہان کے احترام اور اثر و نفوذ
۷۔ کیلئے انھیں ہر ممکن طریقے سے پروانچوں میں مبتلا کرنا۔

غیر مسلم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) انکے جانشینوں اور کلمی طوط پر اسلام کی بزرگوار غفیتوں
ات کا سہارا لیکر اور اسی طرح شرک و بت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ اور
دیگر شہروں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تباہی۔

۸۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد شورش اور بد امنی کا پھیلاؤ۔
۹۔ مسلمانوں میں کمی بیشی پر شائد احادیث، روایات کی رو سے ایک جدید قرآن کی نشر و اشاعت
۱۰۔ تقریباً ان چھ نکات کی تکمیل کے بعد گورنمنٹ برطانیہ نے سوچا کہ اب سیاسی اعتبار
۱۱۔ جزیرہ العرب میں کوئی کام ہونا چاہئے یہی وجہ تھی کہ اپنے عمائد میں سے محمد ابن سعود کو محمد

ابن عبدالوہاب کیساتھ اشتراک عمل پر آمادہ کیا (۱۳) پھر کیا جہاں لوگ انتہائی دردناک
سنان ہے۔ پورا جزیرہ العرب خون سے لبریز ہو گیا اور مزارات و مقابر بامالی کر دیئے گئے۔
بزرگانِ دین نے نہایت بسط کیساتھ بیان کیا ہے۔ اور ہم نے اپنی اسی کتاب "پاک دہندگی چند
ساری تحریکیں اور علمائے حق" میں کافی حد تک ان مسائل کی وضاحت کی ہے۔

جہاد اور جہادی

جناب سید احمد بریلوی اور انکی تحریک جہاد اور انکے جہادین کے بارے میں جہاں واقعات کا تعلق ہے ان میں حقائق کم اور افسانے زیادہ ہیں۔ ان جہادی شخصیات پر جو مقالے اور کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں انکے بیشتر واقعات کو زیب داستان نہیں کہا جاسکتا۔

آج اس دور میں جب پروگنڈے اور نشر و اشاعت کے زور پر جناب مودودی کا قیام پاکستان میں قائد اعظم کے شریک سفر کہلا سکتے ہیں۔ اور انکی جماعت پاکستان کی بڑی جماعت کہلا سکتی ہے۔ اور اسی پاکستان میں جسکے قیام کی سخت ترین مخالفت کرنیو عمود جیسے لوگوں کیلئے "پاکستان کے قائد اعظم مفتی اعظم مفتی اعظم" کے نعرے لگ سکے اور جناب حسین احمد مدنی جیسے پاکستان دشمن لوگوں کیلئے پاکستانی ادارہ نشریات سے مملکت ہو سکتی ہے۔ اور اس افش پاک کا نمک پانی کھاپی کر "دوشن مستقبل" جیسی گمراہ کن شائع کیا سکتی ہیں۔ تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

پروگنڈے کی خوفناک کہانی محمد علی قصوری کی زبانی

غیر معروف شخصیت نہیں ہیں مودودی ہونے کیساتھ ساتھ وہ کیمبرج کے تعلیم یافتہ تھے۔ تھے۔ اور خود لہجہ کے جہادین میں شامل تھے اسلئے انکی کہی ہوئی بات بڑی حد تک وقعت رکھتی ہے۔ پروگنڈے کی کہانی انکی کتاب "مشاہدات کابل و یاغستان" میں ص ۱۹ سے ص ۱۲۱ تک دی گئی ہے جسکے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور انداز کریں کہ یہ دینی اور مذہبی لوگ اس بارے میں کہاں تک جا پہنچے ہیں۔

۱۔ جماعت جہادین کا مرکز مردہ ہو چکا تھا مگر ایک پروگنڈا کا نظام ابھی تک بہت وسیع اور فعال تھا کیونکہ یہ تھا کہ سیدھے سادے مسلمان جنھیں کتاب و سنت کیساتھ عشق ہوتا تھا اس پر پروگنڈا کا آمالی سے شکار چوتے تھے ص ۱۱۱

۱۔ جہادین کے نمبر سب سے شرم سے جماعت کے قیام و بقا کیلئے ایسا منظم سسٹم بنا کر اگر نیکو دل کا تشدد اور غدر کے مقدمات بھی اس نظام کو توڑ سکے جتنا پنجہ ہندو بلکہ مختلف ادارے تھے جو نظام تعلیمی مشاغل میں منہمک تھے اور مدرسوں کے خیراتی اداروں کے ذریعہ کافی رقم جمع کرتے تھے۔ اس رقم کا ایک معتد بہ حصہ جہاد پارامیر الجہادین کے پاس جہاد کیلئے پہنچ جانا تھا ص ۱۱۹۔

تعب یہ ہے کہ باوجود اس قدر امین اور بے غرض ہونے کے وہ جماعت کیلئے اتانگیز جھوٹا پروگنڈہ کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسان اضداد کا پتلا ہے یہ عقائد میں نے اکثر بہترین کیونٹسٹ درکروں میں بھی دیکھا ہے۔ اور مجھے حیرت ہوتی ہے ایک بے غرض اخبار کا پتلا امین دیا تشدد شخص کیلئے ایسی جماعت کیلئے بے دریغ جھوٹا پروگنڈہ کرنے سے نہیں جھجکتا بلکہ اسے عین ثواب سمجھ کر کرتا ہے ص ۱۲۱

(مشاہدات کابل و یاغستان از ص ۱۱۹ تا ص ۱۲۱)

اسکے بعد بھی ان لوگوں کے غلط پروگنڈوں کی بابت بہت کچھ لکھا ہے مثلاً یہ کہ میرٹھام نے بدوستان پر فوری حملہ کے متعلق بڑا غلط پروگنڈہ کرتے تھے اور غریب جی بھر کے چندہ جمع کرتے تھے۔ ان حضرات کی بلکہ یہی عادت اب بھی ہے دوسرے لوگوں کے خلاف کھول کر غلط پروگنڈہ کرتے ہیں اور حال بھر چندہ جمع کرتے رہتے ہیں۔

بہر صورت جو دیوبند پاکستان کا دشمن اول تھا اسکے جشن کے سلسلے میں لاہور کا اسٹیشن سمایا جاسکتا ہے۔ (جبکہ اس کی صدارت بھی اندرا گاندھی نے کی) خصوصی ٹرینیں چلائی جاسکتی ہیں۔ اور خاص اجازت نامے مرحمت فرمائے جاسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگر گویم زبان سوز د یہاں تک کہ پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے اپنے مضمون "تجدید و احیائے ملت" میں تو گویا مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کو پاکستان کا پہلا مصوٰف قرار دیا ہے۔ فسر اسماعیل

خبر میں امام عبدالوہاب کی کامیابی نے شاہ اسماعیل کی ہمت و جرأت اور جہادی میدان جنگ منتخب ہوا قمر خاں بالا کوٹ کے نام لکھا۔ ہندوستان بھر کے جہادین

دہاں جمع ہونے لگے اور اپنے آباؤ اجداد کے خیالات کے مطابق شاہ اسماعیل
میں در پاکستان یعنی خلافت اسلامیہ کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے۔

(از امتیاز حق صفحہ ۹) (شاہ اسماعیل شہیدؒ)

حالانکہ علامہ دیوبند کے ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ایمان نجد سے شاہ اسماعیل
کو جوڑ سکے۔

بہر صورت ان حضرات کی پیش قدمی کا یہی حال رہا تو عنقریب آپ ان مورخین
کہتے ہوئے پائینگے کہ پاکستان بنایا ہی سید صاحب اور شاہ اسماعیل نے تھا پھر آپ
یکے سر پر کوئی اور لٹک رہی ہے۔ آپ کا سینہ تو دمکئی گولیوں کے سامنے ہے۔

بالکل اسی طرح جسطرح نظریہ پاکستان کا جھٹکا کر دیا گیا تھا اور اوپر سے نیچے تک
بلانے والے لوگ نہایت مبرور و محمل کیساتھ نظریہ پاکستان کی پامالی کا تماشہ دیکھ رہے

مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور سید احمد صاحب بریلوی کے متبعین و متعلقین
پاکستان کے بارے میں کس سے پوشیدہ نہیں ہر تاریخ دان یہ جانتا ہے کہ اس

وقت تکھنے والوں نے مسلمانوں پر فرنگیوں کو ترجیح دی تھی۔ اور غٹا سے ادیب مندرے مسلمان
وں کو ترجیح دی ہے۔ پہلے دہلی کی مسلمان کمزور حکومت کو مضبوط کرنا خلافت شرعیہ

تھا۔ اور بعد میں اسلامی حکومت کا قیام و استقلال اس سے کہیں زیادہ غلط اور نادر
کیا گیا تھا۔ جو یہ بزرگان دین و ملت سوچتے اور کرتے تھے!

ادوات دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ جہاد میں بھی ان حضرات کے بیان
احوال و واقعات میں اتنا زبردست تباہی اور تضاد پایا جاتا ہے کہ کوئی

دیوبندی غلطی میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ یہ مورخین حضرات آج تک یہ وہ
کہہ سکے کہ سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کے جہاد کا درجہ کدھر تھا۔

اور یہ جہاد انگریزوں سے تھا یا سکھوں سے یا سرحد کی طرف صرف تبلیغی دورہ تھا
وہ اور انگریزوں سے پہلے پٹھانوں کو کچل دینا کیوں ضروری تھا؟

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سلسلے کے بہت سے اہم مسائل میں بعد والوں

ان نے اپنے اسلاف کی اصاعیرین نے اپنے اکابرین کی تلامذہ نے اپنے اساتذہ
مک کی ہے جسکی وجہ سے ان حضرات کی تحریریں مشقیہ اور ناقابل قبول ہو جاتی ہیں۔

کے محققین نے تحریک جہاد کے باب میں جہاں جہلوں کی تفسیر کی ہے۔ وہیں
ادبی مطبوعہ قلمی نغول، نایاب دستاویزات اور ایسے مکتوبات پر لکھی ہے جہاں تک
حالی تقریباً ناممکن ہے۔

ہے کہ پہلے تذکرہ نگاروں پر جو قرب زمانہ اور شریک حال ہونگی وجہ سے ملاحظہ قرار
ہیں۔ ان پر تحریف کا الزام لگایا جا رہا ہے حالانکہ وہی حضرات ان سے مؤرخین سے

مستند اور ثقہ تھے ان حالات میں دور حاضر کے مولف نگاروں کی باتیں کسطرح قابل
نہیں جبکہ یہ مؤرخین حضرات بھی انھیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیسے یہی قدیم مستند

انبار غلط رجحان ہے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ آج تک جتنے بھی سید صاحب
پ باتیں کے مؤرخین گڈے ہیں تقریباً سبوں نے سید صاحب کی عملی کم نامگی اور

بے حس و عدم رغبتی کا اقرار کیا ہے۔ جناب شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

انا سید احمد ۲۹ نومبر ۱۹۷۹ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے ان کی ابتدائی زندگی
دہ راز میں ہے لیکن اتنا معلوم ہے کہ ایام طفلی میں تحصیل علم سے آجکد رعیت

نہ تھی اور مکتب میں تین چار سال گڈا رہنے کے بعد قرآن مجید کی چند سورتوں کے سوا
آجکد کچھ یاد نہ ہوا۔

(سورج کوثر صفحہ ۱۵)

جہاں میں آپ دہلی تشریف لے گئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت
سہر ہوئے۔ انھوں نے شاہ عبدالغفار صاحب کے پاس بھیج دیا۔

وہاں آپ نے کچھ عرصہ صرف و نحو پڑھی قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی مطالعہ
کیا۔ لیکن پڑھنے لکھنے میں کوئی نمایاں ترقی نہ کی

(حوالہ مذکور)

جب آپکی عمر سال کی ہوئی تو شرف کے دستور کے مطابق آپ کا بپا
لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپکی طبیعت خاندان کے اور رفا کو
عمر کے برخلاف علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کیلئے
کرتے۔ تین سال مکتب میں گزر گئے اور باوجود استاد کی توجہ و شفقت
کی ناکید و فہمائش کے صرف قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں اور مفرود
لکھنا سیکھ گئے۔

سیرت سید احمد شہید ص ۹۷ جلد اول

اور اب مرزا حیرت کی بھی سیٹھ

کر یا کا پہلا مصرعہ خاصہ عائد ہے مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یا ہم
اس پر بھی کبھی کر یا بھول گئے تو کبھی سر حال یا کو دل سے ٹھوکر دیا... : میاں
نے بہتر اس پر شکا اور مغز تکی کی بزرگ سید کے کان پر چوں بھی نہیں دینگی
(حیات طیبہ ج ۲ ص ۳۲۶)

مگر مسلمانوں کا روشن مستقبل کے عظیم مصنف جناب سید طفیل منگلوری ایک اور ہی دا
سناتے ہیں۔

سید صاحب بہت ذہین تھے اور انکی علمی ترقی کی رفتار بہت تیز تھی۔ مگر ان
میں روحانیت بڑھی ہوئی تھی اس لئے درس چھوڑ کر انھیں طریقت کی تعلیم ان
گئی۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۲۷)

پڑھنا صرف یہ ہے کہ کیا یہ بھی کوئی ایسا مسئلہ تھا جس میں اختلاف رہے ہوتا۔ ان حوالوں
میں نظر جہاں تک ایک قاری سمجھ سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مصنف نے جو مسجد میں آیا کلمہ
وہ حقیقت حال کیا ہے؟ اسکو سمجھنے پر کلمے کی کوشش نہیں کی گئی۔

پھر یہ کہ دیگر مسائل کی طرح ان حضرات نے تاریخ میں بھی قانون ضرورت کو ترجیح دی ہے۔
یعنی جب ضرورت تھی کہ یہ کہا جائے کہ مکمل سے جنگ تھی تو کہہ دیا گیا کہ ان لائبے بالوں والوں

سی۔ اور جب سکھ بھی ہندو کی طرح برا اور ان وطن بن گئے۔ اور انگریزوں سے معنی
انگریزوں سے تھی۔ سکھوں کا نام بلا درجہ درج کر دیا گیا ہے۔ اور اسے زیادہ کاڑھا
مرموز طریقہ استعمال کیا گیا ہے یعنی سکھ بول کر انگریز مراد تھی۔ واللہ والہ الہداجون
اس باب میں ہمارا موقف غیر مبہم اور نقطہ نظر واضح ہے۔ کہ سید صاحب اور ان کے ساتھیوں
طریقہ دہائی اصیٹ کا قیام تھا جسکی تائید سید صاحب کے مؤرخین بھی فرماتے ہیں حتیٰ یہ
سے انھوں نے ایک دن بھی جنگ نہیں کی (جسکا تفصیلی جائزہ آگے آرہا ہے)

سے بھی باہر بھڑکی جنگ ہوئی۔ اللہ شرف سے آخر تک سرحدی پٹھانوں پر بدعت اور
تو سے لگاتے رہے اور ان سے جنگ وجدال بنام جہاد کرتے رہے۔ اور غیور پٹھانوں
سے قوت اور ہتھیاروں کے زور پر زبردستی نکاح کا حقوق پورا فرماتے رہے۔

اس اسماعیل کا عمر خوشنری
سرحدی مسلمانوں کے لئے مولوی اسماعیل کے عزائم انتہائی
خطرناک تھے۔ ان کے مؤرخین کے بقول وہ کھلی اور سنگی
مگر سید صاحب کی مصلحت اندیشی آدھے آتی تھی۔ یا یوں کہیں کہ سید صاحب کی فوج
م کے لوگ تھے جبکہ دوسرے مولوی اسماعیل کھلم کھلا اپنے عزائم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے
داریل منگلوری لکھتے ہیں۔

اللہ یہ ہے کہ وہ جماعت مختلف اور متضاد گروہوں سے مرکب تھی جنہیں متحد رکھنے میں
مدد اللہ مساعی ہے ان میں سے ایک گروہ کے سرور مولوی عبدالحمی اور مولوی کریم علی
دہلوی تھے جو اہلسنت کا طریقہ رکھتے تھے اور دوسرے گروہ کے سرور مولوی اسماعیل
تھے جو بڑوں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہِ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار
دیتے تھے خود سید صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر ساتھ مولوی اسماعیل کی
اجماع کی سرپرستی کرتے تھے جو اپنے کو بھڑی کہتے تھے۔
(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۲۷)

مولوی اسماعیل دہلوی کے خوفناک عزائم کا پتہ اس خط سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے جہاں انھوں
ان الاول ۱۲۲۷ھ میں سید صاحب کو ایک آفتیش کے صلے میں لکھا تھا۔ یہاں مکتوبات سید محمد شہید

سے اسکے ترجمے کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جو سخاوت مرزا نے کیا ہے۔

میں نے ایک پرچہ لکھ کر خدمت عالی میں ارسال کر دیا ہے جو اللہ نے چاہا تو جناب کے سے گزرنے کا لیکن اس موقع پر ذرا تاخیر سے کام لینا چاہئے کیونکہ یہاں دو معاملے پیش ہیں ایک تو مسندوں اور محافل لغویں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور دیکھنے والوں کو جائز قرار دینا۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کے بغاوت پر مبنی ہے دوسرے یہ کہ اسکا آیا کوئی موجب ہے یا کچھ اور ہے۔ جبکہ بعض اشخاص کے مقابلہ میں انکا جرم نہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور بعض کے متعلق بذات یا اسکا کوئی اور موجب اگرچہ کہ سبب لاطریقہ ہائے پاس وہی یعنی تحقیق و تفتیش کرنا ہے۔ کیونکہ ہم ان فقہ پروردگار کوئی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں اور انکو اصل کتاب کافروں کے مثل جانتے ہیں۔

مکتوبات میرزا محمد شہید ص ۲۱۲

عبادت کی پیچیدگی کے باوجود یہ بات واضح طریقے سے سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے کفر و شک و شبہ نہیں۔ اور قتل و خون ریزی کے جواز میں کوئی تاخیر نہیں۔ تاہم صرف اس بات میں کہ ان اسباب کو تلاش کیا جائے چکی وجہ سے ان کے اندر متوجہت سے اعراض کی جڑات پیدا ان کا ارتداد اور انکا کفر نہ ثابت ہے انکو قتل کیا جاسکتا ہے اور انکے مال و مناع کو لوٹنا۔ اب دو آسمان زنی کا معاملہ تو اس کا واقعہ یہ ہے کہ پشاور کے سرداروں کے ممالک میں اس میں کوئی شک نہیں کہ طرح طرح کا ظلم، فسق و فجور اور جہالت کی ریس اس میں تھیں جو ہر ملک میں اور ایسی ہر مملکت میں جہاں ایسی فتنہ پردازیاں ہوں تو اس ملک پر شک کر کشی کرنا اہم کیے جائز ہے اور اس سلطنت کو درہم برہم کر دینا ثواب کا کام ہے۔

مکتوبات میرزا محمد شہید ص ۲۱۲

مولوی اسماعیل صاحب کا رویہ ابتدا ہی سے انتہائی جارحانہ رہا ہے اور اس کی بار ان کی کتاب تقریرۃ الایمان ہے جس میں دینا کے کسی فرد کو صاحب ایمان نہیں ہوتے گیا ہے (تفصیل آرہی ہے)

سچ یہ ہے کہ اس دور میں جسے جدید مؤرخین دو اولیٰ کا نام دیتے ہیں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا

نہ کہ میرزا صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب نے انگریزوں سے جنگ کی ہو۔ اس باب میں بات قدرے واضح ہے۔

تاریخ پنجاب مصنفہ کنہیا لعل ص ۱۸۸ء وہ اپنی اس کتاب میں واقعات جہاد بیان کرتے ہوئے

سردار صاحب نے پشاور پر ویش کی سردار محمد خان نے بھارت ناپاری اصل اطاعت قبول کی اور اس نے اپنا عمل دخل پشاور میں کر کے سردار سلطان محمد خان کو اپنی نجات پر مقرر کیا اور قاضی مفتی دہلوی مذہب کے شہر میں ہمارے کر دیئے یہ میرزا محمد سرکردہ فرقہ دہلوی کا تھا اور اس سے اولیٰ یہ ہندوستان سے باتفاق مولوی محمد اسماعیل کے عرب کو گیا اور علاقہ میں رہ کر دہلوی مذہب کی تعلیم پائی۔ پھر یہ ہندوستان میں آیا اور چاہا کہ بوسیلہ جہاد نے جمع کر کے کسی علاقہ کی ریاست حاصل کرے اس ارادے پر انہوں نے بہت دیر میں کیا اور قریب چار ہزار جہادی لوگ مجتمع کر کے پہاڑ پہاڑ ہو کر پشاور کے علاقہ میں آ نکلا۔ بظاہر اس کا اظہار تھا کہ میں کھاند سے جنگ کر کے مسلمان دین کو پھیلایا جاسکتا ہوں چنانچہ اس نے پشاور فتح کر کے بہت جمعیت اپنے ساتھ کر لی علاقہ یوسف زئی کے پٹھان جن اس کے ساتھ بے شمار شامل ہو گئے تھے۔

(تاریخ پنجاب ص ۲۲۳)

بلور و صاحب سردار سلطان خان محمد کی زبانی بھی سن لیں۔

یہ شخص کلکتہ کو گیا اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر خاڑ کعبہ کو گیا اور وہاں مسجد کے اہل علماء بیت آئے ہوئے تھے ان سے اس کی ملاقات ہوئی اور وہ یہاں تک اس پر اب آئے کہ اپنے مذہب میں اسکو ملایا۔ اور اس نے بھی اپنے تمام ہمراہوں کو اس مذہب کی پابندی میں داخل کر لیا۔ اور وہاں سے پکا دہلوی ہو کر پھر ہندوستان میں آیا۔ اظہار کیا کہ میں جہاد کرنے پر مستعد ہوں ہر ایک علماء کو چاہئے کہ مال و جان سے میری امداد

کے ہر ایک مسلمان رئیس کے پاس یہ خود گیا اور ذکرِ شیر بہ بہانہ جہاد وصول کی
سے مسلمان جان دینے کیلئے اٹھکے ساتھ ہو گئے۔

چونکہ اصل مقصد اسکا یہ تھا کہ کسی بے انتظام علاقہ میں جاکر ریاست حاصل کرے اور
ملک بنائے امواسطے یہ گوشہ اُس نے اپنی خواہش کے مطابق پایا اور پیادہ کے
پیشاور کے علاقہ میں اپہنچا۔

(تاریخ پنجاب ص ۳۶۷)

اسکے بلند سکھوں کی فوج پیشاور پہنچی تو یہ پیشاور خالی کر کے پہاڑوں پر چڑھ گئے
کی فوج پیشاور میں رہی مگر سید صاحب اور اسکے قازی بلند والا پہاڑوں سے نیچے نہر
جب سکھوں کی فوج واپس ہو گئی تو۔

سید احمد جہاد کی نے پھر پیشاور کا میدان خالی پایا فی الفور یوسف زیلوں کے علاقہ سے
اپرورش کی سلطان محمد کے پاس اپنی ذاتی فوج بہت کم تھی اس نے طاووت مان لی تو
اپنی مراد کو پہنچ گیا تمام علاقہ میں اپنے کا دریا پہنچا دئے ہمدرد سلطان محمد خاں کو اپنی
عطاک کی اور خون انتظام عرصہ دو ماہ کے بارادہ فرہین فوج یوسف زیلوں کی طرف چلا
وہاں جا کر اسکی تدبیر مخالفت پڑی کراس نے بیجاگ ہو کر مختلف مذہب اہلسنت وجماعت
تمام لوگوں کو اپنے دلیہ مذہب میں داخل کرنا چاہا اور ہر ملامبر پر پیٹھ کر دھکاک لگائی کہ
کسی مقبرہ پر نہ دئے، سکو وسیلہ پڑ کر وہاں مانٹ اور اپنے بڑے بزرگوں کی اردوچ کو
کچھ نہ دے انکو ہرگز نہیں پہنچتا۔

یہ مسائل جب اپنے مذہب کے برخلاف لوگوں نے سنے تو حیران رہ گئے اور ملاؤں سے مال
دریافت کیا چونکہ ملاؤں کو لوگ اس میں کمال نقصان تھا انہوں نے مل کر تمام علاقہ کو سید
کا دشمن بنادیا۔

علاوہ اسکے مشائخ، بزرگ، عابد و خدا پرست لوگ اس علاقہ کے سید احمد کے ایسے جانی
بنے کہ اسکے حق میں کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ یہ سید احمد دینی اولیٰ کی کرامت کا منکر
آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ یوسف زیلوں نے اس کو بزرگ شمشیر اپنے علاقہ سے نکال دیا

لی صورت سے جیڑا ہو گئے جب یہ حال پیشاور میں شہر مہراؤ شہر والوں نے
کر کے اسکے اہلکار شہر سے باہر کر دئے۔

تاریخ پنجاب ص ۳۶۸

۱۔ کی سرپرستی

مذکورہ بالا احوال و واقعات سے جہاں بنیادی نقطہ نظر کے
اختلاف کا اظہار ہوتا ہے وہیں جناب سید احمد بریلوی اور ان کے

کے عزائم کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جانبدار مصنفین کی ہزاروں پردہ پوشیوں کے باوجود یہ
رسانے آجانی ہے کہ ان حضرات کا اصل مقصد و مدعا و باہریت کا فردغ اور دہائی حکومت
سے نئے موزین، حکومت الہیہ کے خوبصورت نام سے یاد کرتے ہیں۔

انے نزدیک انکا انگریزوں سے جہاد خارج از بحث ہے انگریز اسے بیوقوف کبھی بھی نہیں
حضرات کو نظم اور مسلح کر کے کہتے "آپیل جیسے ملا بلکہ انگریزوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل
س استعمال کیا اور یہ حضرات استعمال ہو گئے بالکل اسی طرح جیسے ہندوں نے اپنے مقاصد
کیلئے انھیں استعمال کیا اور یہ استعمال ہو گئے بلکہ ہوئے ہیں جیسا کہ طفیل احمد شگلوری اپنی
منازل کا روشن مستقبل" میں تحریر فرماتے ہیں۔

ب سوال یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے اسوقت یہ کیوں گوار کیا کہ تمام ہندوستان
س جہاد کیلئے سامان جنگ اور روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے نہ
صرف اسکی اجازت ہو بلکہ مجاہدین کو ہر قسم کی امداد دی جائے اور انکار روپیہ وصول
کر کے انھیں دیا جائے اسکا جواب حسب ذیل آیتاں میں ملے گا۔

اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار اسوقت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہوتی تو ہندوستان
ت سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچی مگر سرکار انگریزوں اسوقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں
کا زور کم ہو۔

مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳

یہ کہ اس عبارت سے کیا کیا نتیجہ اخذ کئے جاسکتے ہیں؟ اور تقریباً یہی بات جناب مولوی
مہتمم فیسری بھی لکھتے ہیں۔

اس سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب
مکرکار سے جہاد کر نیکار ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی ملک
سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ انگریزی سرکار اس وقت سید صاحب کے تمام
قوت ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔ مگر سرکار انگریزی اس
سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

(حیات سید احمد شہید ص ۲۹۲ جعفر خان شیری)

چنانچہ جو اطلاع سید صاحب کی طرف سے بطور امیر المؤمنین کے جاری ہوا اس سے بھی
کہ جنگ انگریزوں سے نہیں سکھوں سے تھی۔

نہ تو ہم کو مسلمان امرا میں سے کسی کے ساتھ تنازعہ ہے اور نہ کسی مسلمان رئیس
مخالفت ہے ہمارا مقابلہ کفار لعینوں سے ہے نہ مدعیان اسلام سے۔ بلکہ وہ
بالوں والے سکھوں سے ہماری جنگ ہے کلمہ گو یوں اور اسلام کے طالبوں سے
اور نہ سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخالفت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے کیونکہ
ہم تو اسکی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے
(مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا ص ۲۶۷)

اور جناب طفیل احمد منگلوری حواشی احمدی کے حوالے سے لکھتے ہیں

اور سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ انکا
خرق مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب
سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔

مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۳

یوں تو انگریزوں کی سرپرستی کی داستان بہت طویل ہے۔ اس جہاد میں قدم قدم پر انگریزوں
سید صاحب اور انکے مجاہدین سے بھرپور تعاون کیا ہے۔ جیسا کہ یہی منگلوری صاحب
کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنیکی ہدایت کرتے تھے

ان مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے
کیا مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب جیسٹریٹ کو اسکی اطلاع ہوئی تو انھوں
گرفت کو اطلاع دی گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہیں
ملے گی۔ دہلی کے ایک مہاجن نے جہادیوں کا رپہ چھین لیا تو ولیم فریزر کمشنر
نے ڈگری دی جو وہ مل ہو کر سرحد بھیجی گی۔

(حوالہ مذکور ص ۱۳۲)

مذہبات کی روشنی میں کوئی شخص اسکے علاوہ کیا سوچ سکتا ہے کہ ان مجاہدین کا فرنگیوں
مخالف ہی وجہ ہے کہ "جہاد پر جانے سے قبل سید صاحب نے شیخ غلام علی رئیس الدیاد
رابط لٹینٹ گورنر کو ارادہ جہاد کی اطلاع دی جواب ملا کہ جب تک انگریزی عملداری
اور دفساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں"

اور تقریباً یہی بات مولانا حسین احمد صاحب مدنی بھی فرماتے ہیں اور انکی تحریر سے یہ معلوم
کہ انگریزوں نے سید صاحب کیساتھ بھرپور تعاون کیا تھا لفتش حیات میں لکھتے ہیں کہ
سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کر نیکار ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور
ان کا سامان ہتھیار گننے میں سید صاحب کی مدد کی۔

یہی نہیں بلکہ سید صاحب کے تعلقات انگریزوں سے اتنے گہرے تھے کہ عین زمانہ جنگ
ب راجہ رنجیت سنگھ نے حکیم عزیز الدین اور سوار وزیر سنگھ کو صغیر مقرر کیا۔

اس پیام صلح دیکر سید صاحب کی طرف بھیجی صلح کی شرط راجہ رنجیت سنگھ نے یہ پیش
کی کہ دریائے ابا سین سے بائیں طرف کا ملک جو سید صاحب کے قبضے میں ہے اُنکے
قبضے میں ہے اور وہ دائیں طرف کا قصد نہ کریں راجہ رنجیت سنگھ کی اس سفارت کا
جواب سید صاحب نے مولوی خیر الدین شیر کوٹی اور حاجی بہاد خاں کے ہاتھ بھیجا وہ سب
سے پہلے جنرل ڈنلوپ کی ملاقات کو گئے۔

جنرل ڈنلوپ نے ڈیپلیماسی کا خیال بھی لایا اور کہا کہ جو وقت میرا ذرا حضور میں تھا اسوقت
ایک شخص بطور صغیر خلیفہ صاحب یعنی حضرت مولانا سید احمد بریلوی) کی طرف میرے

پاس آیا تھا اور کہا تھا کہ اگر راجہ رنجیت سنگھ خلیفہ صاحب کی معرفت (ماگڈاری) ملک یوسف زئی کی کیا کریں تو سرکار خالصہ تکلیف فوج کشی اور زیربازی سے اپنی پائے اور اس ملک کے آدمی تاراجی اور آتش زنی سے غلغلی پائیں عویہ بات مجھ کو پسند آئی۔

جنرل ڈنٹور کی پال بہت گہری تھی اسکی کوشش یہ تھی کہ سانپ بھی مر جائے ورنہ بھی نہ (موج کوثر ص ۲۸۳ شیخ محمد اکرام)

اسکے بعد جنرل ڈنٹور اور سید صاحب کے سفیروں کے درمیان کچھ تلخ باتیں ہوئیں اور راجہ رنجیت سنگھ کے پاس جانے کے بجائے ڈنٹور سے ملاقات کر کے واپس آگئے (موج کوثر) اگر یہاں کہا جائے کہ بات اتحاد کی ہے تو کچھ غلط ہوگا یعنی پیش کش راجہ رنجیت سنگھ اور پہل بھی راجہ کی طرف سے ہوئی مگر سید صاحب کے صغیر سید جنرل ڈنٹور سے ملتے ہیں تاکہ وہ شہرہ فرما سکیں اور حد یہ کہ راجہ رنجیت سنگھ سے گفتگو کے بغیر واپس ہو جاتے ہیں جو علم مرغلہ پر ہوتی ڈنٹور کی چال کا میاب رہی یعنی لڑاؤ اور مجاہدین اس چال کا شکار ہو گئے۔

حیرت یہ ہے کہ مولانا مدنی اور ان کے ہم خیال کانگریسی ذہن رکھنے والے حضرات انگریزوں سے بات کرنے کے درپے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجاہدین اور ان کے قائدین کا واضح عقیدہ اور نظر یہ ہے کہ انگریزوں سے جہاد ناجائز و ناجائز ہے پھر ہم کیسے تسلیم کریں کہ ان حضرات انگریزوں سے جہاد کا ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں سید صاحب کی تحریک جہاد کی بالکل وہی صورت تھی جو دیگر جہاد سے ممتاز تھی وہ تھی کہ وہاں بھی دہلیوں نے انگریزوں کی مدد اور تعاون سے اپنی خون بہایا اور فتوؤں کی آڑ میں انکی غصتوں کو حلال کیا۔ انکی بہو بیٹیاں کو باندیاں بنایا اور ان کے مال لوٹے اور انھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا۔

اور یہاں بھی انگریزوں کی مدد اور تعاون سے سنی حنفی مسلمانوں کو کافر، مشرک، مرتد و سارے بدع باغی قرار دے کر انکی بہو بیٹیاں کو باندیاں بنایا گیا قتل و غارتگری کی گئی، لہو سے پتھر مارے جیسے سیراب کر دئے گئے اور نکاح بیوگان کی آڑ میں چٹھانوں کے ناموس کی دھجیاں میری گیش۔

یہ عنوان جناب ایوب قادری صاحب کا قائم کردہ ہے۔ موصوف دور جدید یا سکہ کے خاصے نامور مورخ شمار ہوتے ہیں۔ خصوصاً سید صاحب کی تحریک صغیر سے متعلق احوال و واقعات اور شخصیات پر کافی کچھ لکھا ہے۔ انکے حوالے سے ملنے نظر کی بھرپور تائید ہوتی ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد وہابی اسٹیف کا قیام تھا نہ کہ کھتے ہیں۔

تحریک مجاہدین کے سلسلے میں ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے بعض لوگوں نے بات چھپتری ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد سکھوں کا استیصال تھا یا انگریزوں کے امتداد سے چھٹکارا حاصل کرنا

حقیقت یہ ہے کہ تحریک مجاہدین کا مقصد حکومت الہیہ کا قیام اور مسلمانوں کے گئے ہوئے اقدار کو واپس لانا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں سے زیادہ تو انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے سمجھا ہے اور انڈین مسلمانوں میں واضح کر دیا ہے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۸ ایوب قادری)

اور ہنٹر نے نہایت وضاحت کیا کہ کھتا ہے کہ یہ ایک دہلی تحریک تھی اور بخوبی تحریک ولایت تھی۔ یہ لوگ سرحد میں وہی کچھ کرنا چاہتے تھے جو عرب میں نجدی دہلیوں نے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قادری کے علاوہ تقریباً سبھی اہل قلم دہلیوں نے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی سخت مخالفت کی ہے۔ یہ بیکر ہر صاحب تک جتنے بھی اس قبیل کے مؤرخین گذرے ہیں کسی نے بھی ہنٹر کی تائید نہیں کی جبکہ ایوب قادری خود لکھتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ شوشہ بھی اپنی ہی کی طرف سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کے سلسلے میں چھوڑا گیا۔ سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے (آراء انڈین مسلمان) پر تبصرہ کیا اور ثابت کر دیا کہ شوشہ کی کہ یہ جہاد سکھوں کے خلاف تھا۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۹)

ایوب قادری صاحب کے مندرجات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ

- سید صاحب کا مقصد جہاد و باطنی حکومت کا قیام تھا جسے قادری صاحب کو
- اور یہ کہ فی الواقع سید صاحب کی جنگ کسی سے نہیں تھی۔
- اور یہ کہ اس باب میں جو کچھ ہنر نے لکھا ہے درست لکھا ہے
- اور یہ کہ سید صاحب کا مقصد سکھوں سے جہاد کرنا نہیں تھا بلکہ انگریزوں
- اور یہ کہ یہ سید صاحب کی اپنی من گھڑت ہے؛
- جناب ایوب قادری نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ

اس تحریک کے خاص رکن مولوی محمد جعفر تھانیسری نے اصل مواد میں انگریزوں کے بجائے سکھوں کا لفظ لکھا اور شہر کیا (جنگ آزادی ص ۶۹)

خدا را ہمیں بتایا جائے کہ محمد جعفر تھانیسری، مرزا حیرت دہلوی اور سید احمد خاں، بہت سے لوگ کون تھے اور کن لوگوں کے بزرگ تھے؟ اور یہ ترمیم، تحریف، تفسیق کی سرزد ہوئی۔ اور ایسا کیوں ہوا۔ تاریخ کیسا تھوڑا ایسا اندازہ ہٹا کر ظالمانہ مذاق کن لوگوں کا ان باتوں کا جواب طلب کرتا ہے۔

اور یہ کہ کیا قادری صاحب اپنے اس موقف کے ثبوت میں کہ ”سکھوں سے جنگ اپنوں ہی کی طرح سے حکومت برطانیہ کی وفاداری کے سلسلے میں چھوڑا گیا اور یہ کہ انگریزوں کے بجائے سکھوں کا لفظ لکھا اور شہر کیا گیا“ کوئی ایسا صحیح نسخہ پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے انگریز لکھا ہوا ہو۔

پھر حیرت یہ ہے کہ مولانا مدنی اپنی خود نوشت نقش حیات میں جعفر تھانیسری، قرار دیتے ہیں۔

”مولوی محمد جعفر تھانیسری جو سید صاحب کے نہایت مستند سوانح نگار ہیں نقش حیات اور اسی طرح محمد اقبال سلیم گاندھی کی حیات سید احمد شہید کے ابتدائی میں لکھتے ہیں۔

یہ کتاب حیات سید احمد شہید مصنف مولانا محمد جعفر تھانیسری جو اس وقت انیسویں کی طرح سے شائع کیا جا رہی ہے حضرت سید احمد شہید کے مخلص متبع کی تصنیف ہے حیات سید احمد شہید ص ۶۹

ت مجاہدین کا ارادہ سکھوں سے جنگ کا ہو یا انگریزوں سے روائی کا خون سرحد کے سنیوں کا بہا گیا اور یہ سب اس منصوبہ بندی کے تحت ہوا کہ پہلے ان (منافقین، مرتدین) کو مرنے کے بعد انگریزوں اور سکھوں سے بھٹتے رہیں گے۔

جناب جناب ابو الحسن علی ندوی اپنی کتاب ”سیرت سید احمد شہید“ میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کا ایک سے ہیں جس کے پڑھنے کے بعد ان کے غوی عزائم کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

مس کا جواب تلوار ہے

جب آپ کی امامت ثابت ہوگی اور کوئی امر جو اس منصب سے آپ کی علیحدگی کا سبب نہ ہو یا ایسا نہیں آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ کی امامت سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کرے وہ باغی متحمل العہد ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اس کی بغیر قتل تمام اہل نفاق کی طرح خدا کی عین مرضی ہے۔ اسلئے کہ ایسے لوگ بحکم احادیث و تواتر کلاب النفاق اور ملعونین انحرار میں اس مسئلہ میں اہل ضعیف کا یہی مذہب ہے و محترنین کے اعتراض کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریروں و تقریریں

(سیرت سید احمد شہید ص ۲۴ علی ندوی)

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ ایک شخص ایک گروہ ایک جماعت کو لیکر پہاڑوں میں بنام ماحضہ ہے اور کچھ لوگوں کو جمع کر کے امامت کا دعویٰ کرے تو کیا وہ فوجی لیڈر امام المسلمین کہلا سکتا ہے۔ اور یہ کہ اُسکی اطاعت نہ کرنا تو اسلام کے باغی قرار دئے جائیں گے اور ان کے زمانے والوں کو حلال ہوگا، ان کے مال و منال لوٹ لئے جائیں گے۔ انکی عورتیں باندیاں بنائی جائیں گی؟ جینا تو بڑا

درج اکرام کی گواہی اور پھر واقعہ مولوی محمد اسماعیل اور ان کے ساتھیوں کی تلواریں بے نیام ہو گئیں اور مسلمانوں کا خون کچھ اس طرح بہا گیا کہ دریا مے اباسین کا

سرخ ہو گیا۔ اگر خور کیا جائے تو مولوی محمد اسماعیل کی زبان دہی ہے جو عرب کے نجدیوں کی فتنی ان کا طرز عمل دہی ہے جو دہلیاں خچر کا تھا۔

کیا انھوں نے سرحد میں وہی کچھ نہیں کیا جو نجدیوں کے ہاتھوں حجاز مقدس میں ہوا تھا۔ شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

اسکے علاوہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ اور معاملہ فہمی کا تقاضا بلکہ وہ جلد ہی ناخاندانہ رویہ پر آئے مثلاً خان عبدالغفار سید صاحب کے مقرر کردہ ایک قاضی کی نسبت لکھتے ہیں۔

ایک موقع پر حجب مذکورہ جماعت (مجاہدین) کے قائد سید محمد جہاں کے کہ جو اہل رسوم خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں، کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ منینہ اقصیٰ میں اہل رسوم کو کافر نہیں کیا گیا تو اس کا گھونٹو سے دیا گیا۔ اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہیں چھوڑا۔ اُس نے دوبارہ کلمہ نہیں پڑھ لیا۔ بالفاظ واضح تر اُسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا۔

یوں کہ قریباً ۳۱ شیخ محمد اکرام

ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں

اجنب علی ندوی مجاہدین کے قتل کے اسے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

مذکورہ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ سمر کے علاقہ میں جو غاروں متعین یا مقیم تھے۔ یا کبھی کبھی کسی ضرورت سے دورہ کرتے تھے اُن میں سے جبکہ زیادہ صحبت و تربیت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا یا مزاجاً درشت اور لاابالی رہا ہوئے تھے اُن سے کہیں کہیں بد عنوانیوں اور تعدی کے واقعات بھی پیش آئے۔

سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۲۲۲

اگرچہ ان وحشت خیز واقعات کے ذکر میں جناب علی ندوی کا لہجہ دھیما اور دبا دما مگر بات وہی ہے جو شیخ اکرام کی تحریر سے منظر ہے۔ اور یہ نام کاروائیاں اُن فقاہوں کے عمل میں لائی جاتی تھیں جو امیر المومنین کی طرف جاری کئے جاتے تھے اور یہ بات کسی نے نہیں کہ اس قسم کے فتاوے مولوی محمد اسماعیل ہی تصنیف فرماتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں

سید صاحب کی امامت اور دوسرے قوانین شرعیہ تعامل ثابت و برحق ہے ایک ایسی طاقت فسرطن اور اس سے خارج بالاتفاق کتاب و سنت و اجماع و تفصیل فقہ باغی اسکا قتل یا حجب اسکا قتل حلال اور وہ نازی ہے اس پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہئے۔

ہے جس دروٹاب فی ثیاب دوسروں پر شرانگیزی۔ فقہ سازش۔ فتویٰ بازی کا الزام کو چاہئے کہ اس آئینہ کو سامنے رکھیں تاکہ انھیں اپنی تصویر نظر آتی ہے۔ اور مظلومیت اور زہر دوسروں کو ظالم قرار دینے والوں کو اب سوچنا چاہئے کہ تاویر یہ تقدس مآبی باقی رہتی ہے۔

انگریز انکشاف

مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب "حیات طیبہ" میں جہاں علمائے کرام اور مشائخ عظام پر نہایت گھٹا فائدہ اور لڑکچہ حملے کئے ہیں اب میں کچھ ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن سے ہمارے موقع کی تائید ہوتی ہے جناب ملتے ہیں۔

فتح پشاور کے بعد احکام شرع ناگوار صورت میں پبلک کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ حد بلغا دیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر انکی بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئی تھیں وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کر دیتے تھے کہ اُن سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لاکیاں جاری ہیں مجاہدین میں سے کسی انھیں پکڑا اور زبردستی مسجد میں لیا کر نکاح پڑھوایا۔

حیات طیبہ جز اول ص ۲۴

ایک اصل سہم و مامتی کے دانت نامی کتاب میں جناب سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل کے جہاد اور اسکے اسباب و ابواب، پشاور کی خداکاری اور اُن پر فتاویٰ کی مہماری مجاہدین کی فتدالیوں اور اس تحریک جہاد کے ناکامی کے اسباب، دہلوی عقائد و نظریات اور پھر اس باب میں مورخین کا اضطراب ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں بیان کر چکے ہیں۔

تقویۃ الایمان

اس سے پہلے کہ ہم تقویۃ ایمان و منہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور جناب ایوب قادری کے درباروں اور ترکیب جہاد کے متعلق مزید خیالات کا اظہار کریں اختلافات کے بنیادی وجوہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں

تقلد و نظریات کی اہمیت

دور حاضر کی تصنیفات و تالیفات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس دور کے اہل نام عقائد و نظریات کے اختلافات کو عمداً کوئی وقعت نہیں دیتے۔ حالانکہ قوموں کے عزائم کی تاریخ میں عقائد و نظریات کو بہت بڑا دخل ہے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عقائد کی بنیاد پر ملک کے ملک زیر و زبر ہو گئے۔ جتنے ہوئے اپنی حرارت سے زمین کا شاداب جلس کر رہ گیا ہے۔ ایک ہی ملک ایک ہی قبیہ ایک ہی خاندان کے لوگوں نے صرف تعلق و اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ ڈالی ہیں۔

آپ اس دور کی تصنیفات ہی کو دیکھ لیجئے کہ تذکرہ نویس حضرات پر کس قدر انایت و صلب کا غلبہ ہے کہ صرف نظریاتی اختلاف کی بنا پر کیسے کیسے عظیم لوگوں کو تاریکیوں کے چراغ میں یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں محسوس کرتا کہ عقائد و نظریات ہی کے اختلاف کی وجہ سے مسیحی یوی اور مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے پٹھانوں کو مشرک، منافق، باغی قرار دے کر ہر قسم کا جوہر عقائد و نظریات ہی کے اختلاف کی وجہ سے پٹھانوں نے جناب سید احمد بریلوی اور مولوی کی کوہ تیغ کر دیا۔

اختلاف کا پہلا بیج

یہ بات علی رؤس الاشهاد کی جاسکتی ہے کہ مولوی محمد اسماعیل کی تقویت الایمان کے وجود میں آنے سے پہلے برصغیر کے کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو کم از کم تاریخ اس کو کوئی وقعت نہیں دیتی۔ ہر ایک ہی اتفاق و اتحاد کی پوری فضا دھندلا کر رہ گئی۔ اور مولوی محمد اسماعیل کی تقویت الایمان کا شرف حاصل ہو گیا۔

اور میں علی رؤس الاشهاد کہہ سکتا ہوں کہ یہی انگریزوں کا مقصد تھا جو ”تقویت الایمان“ پورا ہو گیا۔ جناب ”روشن مستقبل“ کے مصنف ”مفیل احمد منگلوری“ فرماتے ہیں۔

ہندو مسلمان کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے ہند میں شروع ہوئی۔ اس کے بعد جو طریقہ اختیار کیا گیا اس کا حال ”مہرجان میلکم“ کے قول سے معلوم ہو گا۔ وہ یہ ہے کہ اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں انکی عام تقسیم ہو۔ اور ہر ایک جماعت

مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ اس وقت سے جدا رہیں گے۔ اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت نہ ہو کہ ہماری قوم کے نام کو ستر زلزل نہ کریگی۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۲۴)

اب منگلوری کے اس ارشاد کے پیش نظر ہمارا یہ غرض یہ صحیح ہے کہ ”ہندوستان میں کم از کم کے درمیان افتراق کی یہ فضا نہیں تھی۔ اور یہ فضا انگریزوں نے اپنی مقصد پر آری کی تھی۔ اب یہیں انصاف کی نظر سے یہ دیکھنا پڑے گا کہ اختلاف و انتشار کا خراج کہاں ہے۔“ ”تقویت الایمان“ ہے جس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو کافر بنا کر فتنے کا بیج بویا گیا۔ اب ایوب قادری جو مولوی محمد اسماعیل دہلوی اور ان کے مخدوم سید احمد بریلوی کے نہایت مایوس اور مدح ہیں اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لکھتے ہیں۔

”ایک مجاہدین پر ایک نظر! دور اول سید احمد کی تحریک تجدید و احیائے دین اور جہاد کی تحریک تھی توحید خالص کی تبلیغ، شرک و بدعت اور قبر پرستی کا احتیصال، مہم عزم کی پیش کش، شادی و غمی نیز دیگر تقویات کے غیر اسلامی مراسم کے بجائے اسلامی سادہ زندگی کا اختیار۔ اور نکاح بیوگان کی ترویج و اشاعت اسی تحریک کے ماس عنصر تھے۔ اسی مقصد کیلئے شاہ اسماعیل شہید نے تقویت الایمان جیسی انقلاب آفرین کتاب لکھی۔“

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء صفحہ ۵۳

مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے بارے میں ایک اور انقلاب آفرین خیال درخشاں ہے۔ مولوی محمد عارف سمبلی جو زندہ علماء کے استاد ہیں لکھتے ہیں۔

”اسی مجاہدانہ جذبہ سے مرثاد ہو کہ اصفیٰ نے تقویت الایمان لکھی اور شیطان اور اس کے چیلوں نے امت محمدیہ کے جاہل طبقوں میں جو شرک پھیلا دیا تھا اس پر ٹھیک فائدہ دتی میں بھر پور وار کیا اور حتیٰ یہ ہے کہ اسکو جہنم رسید کر دیا۔“ (بریلوی فتنہ کا تیار پل صفحہ ۱)

اور اب جناب ایوب قادری ہی کے قلم سے اس کتاب کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرما
بابت واضح ہو جائے۔ لکھتے ہیں۔

مولانا فضل حق نے صبح پہلے "تقویۃ الایمان" اس شہنشاہ کی توبہ شان... کی
کے پیدا کر ڈالے برائے متنازع نظیر اور امکان نظیر کی بحث پھیری ایک مختصر سا
اس عبارت کی رد میں لکھا پھر تو اس سلسلے میں بہت سے رسالے قلمبند ہوئے
اور تقویۃ الایمان کے مستقبل رد لکھے گئے۔

غرض اس تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا مولانا فضل حق خیر آبادی کے سر
(حاشیہ ما ص ۵۵ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

جناب قادری اس بات پر تو برہم ہیں کہ مولانا فضل حق نے "تقویۃ الایمان" کا رد کیا
تقویۃ الایمان جیسی گمراہ کن کتاب کو اس کی تمام حشر طمانیوں سمیت منہم کر گئے۔

خود قادری صاحب کا یہ حال ہے کہ اپنے مددگار مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کا
تغلیب آفریں کتاب کا بعینہ حوالہ بھی درج فرمایا کی جرأت نہ کر سکے۔

تقویۃ الایمان واقعی التغلیب آفریں کتاب ہے جس نے برصغیر کی ہستی سکراتی جو
سے بریز سر زمین پر نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکا دیئے اس التغلیب آفریں کتاب کی
مجموعہ کبھی کسی موقع پر گفتگو کرینگے۔ پہلے آپ مکمل حوالہ ملاحظہ فرمائیں جسے قادری صاحب
نے کن مصلحتوں کی بنا پر نظر انداز کر دیا ہے۔

جو کوئی کسی نبی ولی کو، امام شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں
اس قسم کا شفیق سمجھ تو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے معنی
کچھ بھی نہ سمجھے اور اس مانک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی۔ اس شہنشاہ کی شان تو یہ ہے
کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی، جن فرشتے اور محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے۔

(تقویۃ الایمان ما شہد کینی دیوبند ص ۲۲)

پوری تقویۃ الایمان گستاخیوں، ہتھیاریوں کا کھوکھلا ہوا معتمد ہے جس نے نہ جانے کتنے

ان کو دیر لان کر دیا ہے حتیٰ یہ ہے کہ جسے قادری صاحب التغلیب آفریں کتاب فرماتے
اس قابل ہے کہ نذر آتش کر دیا جائے۔ یاد ہے کہ مولوی محمد اسماعیل کی اس کتاب پر
ہی نے مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کو ان کا معتب کیا ہے اگر حضرت خیر آبادی
فرماتے تو عجب کچھ ٹھیک تھا۔

اسکے باوجود اس باب میں جناب ایوب قادری ستمائش کے لائق ہیں کہ انہوں نے اختلاف
مادی نقطہ نظر کا ذکر کیا اور اسی کا بھی اقرار ہے کہ تقویۃ الایمان کے بعد ہی نظریاتی معسر کہ
سروغ ہوئی۔ اور یہ کہ تقویۃ الایمان ہی اختلاف کی وجہ بنی ہے۔

اور یہ اختلافات اس وقت بہت واضح ہو گئے تھے جب سید احمد بریلوی اور مولوی محمد اسماعیل
نے سرحد میں یلگوہ برتری حاصل کر لی تھی۔ اور یہی اختلاف پہاڑوں میں ان کی مکمل
کے اسباب بنے۔

ادی نقطہ نظر کا اختلاف | اس سلسلے میں جناب شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔

سید صاحب اپنے رفقاء کی بے اعتدالیوں کو رد کرنے کی سلسل کو شش کرتے رہے
اور جانتے تھے کہ سمجھ دار اور عالم فہم حضرات کو مذہب داریاں سونپنی چاہیں۔ مثلاً
انہوں نے بڑی کوشش کی کہ مولانا خیر الدین قاضی القضاہ بننے پر آمادہ ہو جائیں عشر
کا بھی شاید کوئی حل نکلی آتا۔ لیکن مجاہدین اور باقی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر
کا اختلاف تھا۔ قبائل کو جو رہیں عزیز تھیں مجاہدین کے نزدیک وہ کفر نفس ثالث
کو دیکھ کر وہ یہی فیصلہ کر سکے کہ وہ جو رہے رسومات خلاف شریعت اسلامیہ تھیں اسوجہ
سے پہلے انکی اصلاح ہونی چاہئے اور اسکے لئے اقدام شروع کر دیا۔ اور قرن اول
کے مخلص مسلمانوں کی طرح بیک جنبش لب احکام خداوندی کو نافذ کرنا چاہا اور
اس کا مطلق خیال نہ کیا کہ وہ قوم قرن اول کی قوم نہ تھی

موج کو شروع شیخ محمد اکرام

اس سلسلے پر کہ جناب شیخ اکرام جہا جہا کربات کرنے کے عادی ہیں اور مدح سرائی
اور مروج احمد سے نہیں جانے دیتے پھر بھی حقیقت کا اظہار بہر صورت ہو گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ

مجاہدین اور باقی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف تھا، اگر کشمیر سے دل لیا جائے تو معاملات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی یہ بات نہایت آسانی ملتی ہے کہ اتنا خون و زہا نہ تو غلط رسموں کی بنیاد پر ہوتا ہی عشر کیوجہ سے ہوا اصل نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ حیرت ہے کہ سید صاحب کے قدیم و جدید مؤرخین بار بار لکھتے ہیں کہ رسموں کی بنا پر جنگ ہوئی اور تباہی پھیلی، مگر یہ لوگ کیوں نہیں سوچتے کہ یوحنا سے آدمی مشرک بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ جن چیزوں کو یہ حضرات صریح فرما رہے ہیں وہ مشرک بھی ہے یا نہیں؟ وہاں تو برجستہ مشرک سے دُشے جا رہے تھے۔

مولانا نے مولوی محبوب علی صاحب (رستے سے سید صاحب کو ایک خط لکھا) میں اس بات پر ناگوانی کا اظہار اور عرض تھا کہ آپ نے درانیوں سے صلح کیوں کر لی ہے جو مجاہدین دہلی کے سدا بن رہے ہیں اور اسکو توکل و عزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف شہرہ دیا کہ پہلے ان کو کافروں سے جہاد کرنا چاہیے۔

سیرت سید احمد شہید جلد ۲ ص ۵۳

خود فرمائیے یہاں اسلامی اخلاق کا ضلہ کا کہیں دور دورہ نہیں چلتا جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین چٹھانوں کو کافر اور مشرک بنا کر مشق جہاد پورا کیا جا رہا ہے۔ اور یہی نہیں صرف مشورہ تھا۔ اس کا جواب بھی دیکھتے چلیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس عاجز کا قصد ہے کہ بیس روز یا تقریباً ایک ماہ کے بعد پشاور جائے۔ میں نے ہرگز ہرگز منافقوں کیساتھ کوئی مصالحت نہیں کی ہے اور نہ کبھی ان سے موافقت کی کوئی راہ نکالی ہے

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۱)

باب فتویٰ بنیادی نقطہ نظر کے باب میں فتویٰ بازی ہوتی رہی اور مولوی عبدالمجید دہلوی اور ان کے مقلدین، معاونین مشرک و کفر کی توپ بازی کرتے رہے یہ نکل کر پہاڑوں میں بسنے والے سادھے لوگ جو سید صاحب اور ان کے غازیوں کے مقتدر تھے کہ انکی سواروں کی خاک آنکھوں سے نکلے تھے یکدم بھرا ہم ہو گئے۔

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

بعض مخلص قدیم الخیال ہستیوں کو بھی سید صاحب کے بعض صاحبوں کے طریقے بلکہ عقائد بھی کھٹکتے ہوں۔

یہاں کہ سرداران پشاور اور علماء کا مجاہدین کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہو گیا ان کے خاسخ از اسلام اور واجب القتل ہونے کے فتوے دئے گئے۔

موج کوثر ص ۲۱

آئے ہوئے علمائے سرحد پر حجتہ کیا کرتے تھے کہ

مسلمانوں کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کے جان و مال پر دست درازی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس سے آگے بڑھ کر مجاہدین کو باغی مقتولین کو شہید کہتے تھے۔

سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۲۲۲

ہ بازی اور پھر یہ اختلاف اتنے بڑھ گئے کہ پہاڑوں میں عین جہاد کے موقع پر بھی مناظرہ بازی کا شوق اور مشرک و کفر کی الزام تراشی کا شغل جاری رہا۔

شیخ اکرام لکھتے ہیں۔

بن جہاد کے دوران میں جب مخالفین عام مسلمانوں کو سید صاحب کے عقائد کے سے میں بہکانے لگے انہوں نے بے مقام پنپنا مذہبی مسائل کی تشریح کیلئے افغان کو بلایا اور شاہ اسماعیل صاحب نے بڑی قابلیت سے مسئلہ عدم وجوب تعقید کی حمایت کی

موج کوثر ص ۲۲

تک تو ہم یہ سمجھتے آئے ہیں کہ یہ شرف صوف بغداد والوں کو حاصل تھا کہ دشمن سرحدوں سے مارا تھا اور اہل بغداد مناظرہ کر رہے تھے۔

یہاں بھی تقریباً وہی صورت حال ممتی گئی تھی جہاد کرنے اور چٹھانوں سے مناظرہ جاری تھے یا پھر مشرک کا فتویٰ لگا کر جہاد کی مشق فرمایا کرتے تھے۔

مالیہ افسان حالات کے پیش نظر مولوی محبوب علی نے (جب تک ذکر بمکر کر آئے ہیں جو مجاہدین

کا ایک قافلہ لیکر پہاڑوں میں پہنچے تھے) بڑی عجیب بات کہی جاتی تھی کہ

تمہارے اوپر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق میں تم یہاں کیوں بیٹے ہو
نے کہا جہاد کی واسطے مولوی صاحب نے کہا جہاد کہاں ہے! اور کون کفار
ہے کس ملک میں تمہارا عمل دخل ہوا۔! صبح سے شام تک تم لوگ کھانے پکاتے
فکر میں رہتے ہو جہاد کا محض بہانہ ہے تمہاری دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو
میرت سید احمد شہید علیہ السلام

اور پھر مولوی محبوب علی اور جھگڑ کر بہتر سے مجاہدین کیساتھ واپس ہو گئے۔
سے رقوم اور قافلے دونوں بند ہے۔ اور نہ لڑ جتن کے بعد پھر یہ سلسلہ جاری ہوا
کہ کیا یہی حال تبلیغی جماعت کا نہیں ہے؟ اور کمال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ
کہتے ہیں اور انکا دھندل بھی وہی ہے جو مولوی محبوب صاحب نے کہا ہے "صبح تا
لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو جہاد کا محض بہانہ ہے تمہاری دنیا و آخرت
خراب ہیں"

بیکطرفہ کاروائی جناب شیخ محمد اکرام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اب تک چٹانوں
میں جو کچھ کہا جاتا رہا ہے وہ ایک یکطرفہ کاروائی جتنی
کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی یا اس کے موقف کو جان بوجھ کر نظر انداز کر
پر دیکھنے کے ذریعہ چٹانوں کو ظالم اور مجاہدین کو مظلوم قرار دے کر داستان گوئی
کر دی گئی۔ دیکھتے ہیں

اس افسوسناک انقلاب احوال کا تجزیہ کرنا اور اس کے اسباب و براعشت ڈھونڈنا
تاریخ نگار کا تلخ فرض ہے۔ لیکن آج یہ کام کسی قدر آسان ہو گیا ہے۔
اس سانحہ کے متعلق فقط سید صاحب کے عقیدت مندوں کے بیانات ملتے
جسکی ترجمانی عہد حاضر میں مولانا مہر نے بڑے جوش و جذبہ سے کی ہے
سورج کو ٹھنڈ

اگر غیر متعمدانہ طریقہ سے دیکھا جائے تو یہ بات باسانی سمجھ میں آسکتی

اور انوکھی حرکت نہیں کی جاتی "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق فتوؤں کا جواب فتوؤں سے دیا
ا کا جواب تلوار سے

اس باب میں صرف چٹانوں ہی کو کیوں قابل ملامت اور لائق گردن زدنی قرار دیا جاتا
ہے جبکہ مجاہدین اور غازیوں نے بھی توفیق ہی کی آڑ میں قسم کی تعدی سرکشی
یاں روا رکھی تھیں اور انتہائی دیدہ دلیری سے چلتی پھرتی نوکیلوں کو بنام جہاد انکا مسجد
بجایا کرتے تھے اور نکاح کئے بغیر نہ چھوڑتے (گویا ان حضرات نے خانہ خدا کو
بنار کھا تھا) غیر جانبدار شخص ان حالات کے پیش نظر اسے شرعی غنڈہ گردی
پہ نہیں کہہ سکتا۔

حیث دو حیث اس کے ہر اسوں نے تو لغاتہ نغسانہ اور اپنی خرد ماخی سے لشیامی
نہ اور ایسا استیانس کر دیا کہ اس کو ملک پنجاب کو چھوڑنے بن پڑا

حیات طیبہ ص ۲۲

۱۔ سورت اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو کچھ ہوا اسکی بنیاد نظریاتی اختلافات
س کا پہلا بیج رہنمائی دیا ہے اور اسکی بنیاد مولوی اسماعیل دہلوی نے رکھی جو عین
لے وقت جب اسکے مجاہدین کی چٹانوں سے لڑائی ہو رہی تھی ان الفاظ میں ہدایات
اسے تھے۔

۲۔ مولانا اسماعیل صاحب نے حکم دیا کہ توپ کو کھینچ کر مسجد کے شمال مغرب کی ٹیکری
عرب کر دیا جائے۔ آپ نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف
سارے پوزیشن لگانی چاہئے۔ دوسری جانب دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ
اس طرف منافقین پر

(میرت سید احمد شہید ص ۲۳)

ع پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

دہائی یا الہدیت

ایک ہی کتبہ کے لوگ

دہائی کہیں، یا اہل حدیث یا پھر محمدی بات ایک حضرات بھی فرنگی دور کی برکات سے بے غیر کیئے۔ ہم بطور خاص انکی سیاسی خدمات کا تذکرہ کریں گے اور پھر تاریخ خود ہی فیصلہ کرے گی کہ یہ صحیح ہے کہ دیوبندی اور دہائی ایک کتبہ اور اعتقاد ایک ہی مکتبہ فکر کے زائر۔ دیوبندی حضرات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قریب ہو چکے مدعی ہیں۔ خالص اسماعیلی فرقہ ہو چکے مدعی ہیں دوسرے لفظوں میں "علاقائی" "اختیائی" "مبھائی" می تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

اور زمانہ جدید کے اہل علم جوان حضرات کے مقلد و مداح ہیں ان دونوں کے مکرر ولی اللہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور جس مسلک کو یہ حضرات مسلک ولی اللہ کہتے ہیں وہ بھی عجیب چیز ہے۔ جائزہ پھر کبھی انشاء اللہ تعالیٰ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ سید احمد بریلوی صاحب میں پیش پیش ہیں۔ تو اہل حدیث حضرات مولوی محمد اسماعیل صاحب کی تعریف میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سید احمد صاحب بریلوی جو مولوی محمد اسماعیل صاحب ہیں انکی حیثیت بے حقیقت ہو کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً مزاجیرت جب داستان سناتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا سید صاحب پر تبرائے رہا ہے ہیں۔

اور شاید اسی وجہ سے "جنگ آزادی" کے مصنف جناب ایوب صاحب دہائیوں کو تاریخی حیثیت سے انکی سرودوں میں دھکیل دیا ہے اور تقریباً وہ تمام باتیں ملے جو چھپانے کی کوشش کیا رہی تھی اور جواب آں غزل کے طور پر جناب برق اللہ نے دہائی اہل علم خاصہ برقی انداز فرمائی ہے اور دیوبندی مکتبہ فکر کا کچھ اپنا کر چوک میں رکھ دیا ہے۔

اس سلسلے میں کچھ روشنی جناب طفیل احمد صاحب منگلوری نے بھی اپنی کا

میں ذالی ہے۔ فرماتے ہیں۔

سید صاحب بریلوی کا مذہبی مسلک ہمہ گیر تھا یوں کہنے کو تو آپکے مخالف آپکی محبت کو دہائی کہتے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ جماعت دو مختلف اور متضاد گروہوں کے مرکب تھی جنہیں متحد رکھنے میں وہ مدت انہر ساعی ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کے سردار مولوی عبدالحی اور مولوی کریم علی جو پوری تھے جو اہلسنت کا طریقہ رکھتے تھے اور دوسرے گروہ کے سردار مولوی اسماعیل تھے جو چاروں اماموں کی تقلید سے آزاد تھے اور براہِ راست حدیث کو اپنا ماخذ قرار دیتے تھے خود سید صاحب عمل کے اعتبار سے حنفی تھے مگر اسی کیساتھ مولوی اسماعیل کی جماعت کی سرپرستی کرتے تھے جو اپنے آپ کو محمدی کہتے تھے

(مسائل کاروشن مستقبل ص ۱۲۸)

یعنی سید احمد صاحب بریلوی یہ بھی تھے اور وہ بھی تھے۔ بلکہ دیگر علامہ حنفی تھے اور اعتقاداً ان تھے اور انکے اپنے مسئلے کا نام محمدی تھا۔ اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں بوقت ضرورت تھے اور جب کوئی ضرورت نہ ہو تو محمدی تھے جناب شیخ محمد اکرام صاحب کتاب "موج کوثر" مادہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے سلسلہ کا نام طریقی محمدیہ رکھا تھا ان کا دستور صا کہ پہلے طریقہ چشتیہ، آقاویہ، نقشبندیہ، مہروریہ میں باوآز بلند بیعت لیتے پھر طریقہ محمدی بیعت لیتے تھے۔ اس باب جناب محمد علی قصوری بھی اپنی کتاب مشاہدات کابل و پاکستان لکھ فرماتے ہیں۔ (چنانچہ باوجودیکہ وہ حنفی تھے لیکن بہت سے مسائل حنفی مسلک کے انحراف و منت کے مطابق یا کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اس کو انھوں نے مسلک احمدیت کے نام سے موسوم فرمایا مشاہدات کابل و پاکستان ص ۱۸۰) اب نہ جائے شاہ اسماعیل صاحب کس سلسلہ میں بیعت تھے کیونکہ انکے نزدیک ہر سلسلہ بدعت و ضلالت ہے۔

چنانچہ اپنی شہرہ کتاب تذکیر الاخوان بقیہ تعویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔

"تم اپنے دین میں نئی نئی رسم اور نئے نئے عقیدے اور طریقے نہ نکالو اور پھوٹ

نہ ڈالو کہ کون مستثنیٰ ہوئے کوئی خارجی بنے اور کوئی رافضی اور کوئی ما
اور کوئی مرجی کہا دے۔۔۔ پھر ان میں کوئی قادری کوئی سہروردی کا
کوئی چشتی بنے الخ

(تذکرہ الاخوان بقعہ تقویۃ الایمان مدہ طبع دیوبند)

یہ بھی مجاہدین ہیں

دہلیوں کے پرجوش مؤرخین نے انھیں بھی مجاہدین کی
میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ پوری صدی گزر جانیکے باوجود

حضرات افروزی لحاظ سے اتنی تعداد میں نہیں ہیں کہ کسی یا قاعدہ فوج کی شکل میں
چنانچہ جناب شہداء اللہ امرتسری شیخ توحید میں فسر ماتے ہیں

امرتسری میں مسلم آبادی غیر مسلم آبادی (دہند و سکھ) کے مساوی ہے۔ اسی سال
پہلے قریباً صوبہ مسلمان اسی خیال کے تھے جنکو آج کل بریلوی حنفی کہا جاتا
(شیخ توحید مکتبہ شفاء مٹہ مطبوعہ شہداء اللہ امرتسری)

مگر اہل قلم فرماتے ہیں کہ مجاہدین تھے، سکھوں اور انگریزوں سے انھیں خاص
انگریزوں کے نام سے مٹراتے تھے سکھوں پر لڑ رہے ہو جانا تھا۔ تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا
ہمیں قلم کی آبرو کا احترام ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خشک و عیوس لوگ اول
غازی اور مجاہد تھے۔ نواح ہی کی طرح تندخو اور جنگ جوتھے۔ اور یہ کہ انگریزوں
دشمن بھی تھے۔ انکی دھمکار سے مات سمندر پار کھلبلی مچ جاتی تھی۔

مگر خدا ہمیں یہ بتایا جائے کہ ان واقعات و روایات کو کہاں رکھا جائے اور کس
فٹ کیا جائے جو ان حضرات نے خود ہی صح تصدیقات کے ذمہ فرمائی ہیں۔ اور یہ روایات
انگریز دشمنی کی نفی کرتی ہیں۔

مورخین کی ہٹ دھرمی

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ بہر صورت شہداء
مدح سرائی کے قائل ہیں۔ چاہے حقائق و شہاد
واقعات و روایات اسکی کتنی ہی کیوں نہ نفی کرتے ہوں۔ بہر حال میں انکی ہٹ دھرمی
باقی رہتی ہے ایک نے کہا تھا کہ ہمیں اور ہمیں ساتھ ہوتے ہیں۔ دوسرے نے کہا غلام

میں ہوتے ہیں لہذا شرط لگ گئی۔ بیوی نے میاں سے کہا۔ میاں تم شرط لا جاؤ گے
میں چاہیں ہی ہوتے ہیں۔ اس نے منس کر کہا۔ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر تو بڑی بھولی ہے
اگر کتاب لاؤں گا۔ نہیں مانوں گا نہ ہاروں گا اس باب میں شیر بہادر پٹی کا بھی
ہے۔ جناب پتی افادات مہر یہ میں لکھتے ہیں

مجاہدین کی شان و آبرو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں اگرچہ وہ بعض
مدعیات اور توجیہات سے عین مطابق نہ ہو
افادات مہر ۳۱

آپ ہی قرآن میں جہاں یہ صورت حال ہو گئی کیا کر سکتا ہے۔ یہ تو تاریخ کا مسئلہ
والی بات ہے یعنی حقائق و شہاد چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہوں یہ حضرات مجاہدین کی
ساتھ رہینگے۔ جناب مسعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں

انا سندھی کی کتاب "دولت اللہ اور انکی سیاسی تحریک" وسیع مطالعہ اور
یقین فکر کا نتیجہ ہے۔ مگر انھوں نے حزب دولی اللہ کی تشکیل اور من مانی
دوبہ کی خاطر سید صاحب کے ماننے والوں پر برا ظلم کیا ہے۔ اور انکی کمزوریوں
کی تنقید و مذمت میں ان کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے
(دہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک)

باب ہفتم

ان حالات و وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم تو یہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ
حضرات نہ تو اس قسم کے مجاہد تھے جنکی دھوم مچی ہوئی ہے۔ نہ ہی اس طرح
ہے جسکا شہر و دور دور تک ہے۔

یہ ہے کہ اگر گہری فطرت سے احوال و واقعات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات محقق ہو جاتی
انگریزوں اور سید صاحب کے مابین کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی جنگ نہیں ہوئی۔

مگر ہر دو فریق نے اپنے سیاسی مصلحت کی بنا پر "کچھ بوا اور کچھ دوکر" نظر یہ کے تحت "ایک
کیساتھ بھر پور تعاون کیا تھا انگریزوں کے دور میں انھیں بہر طرز اہمیت حاصل تھی
ان حضرات نے انگریزوں ہی کے دور میں مجاہدین کی فوج بنائی۔ رضا کار تیار کئے۔

مکملوں سے جنگ فردا بیت کی بنا پر تین مئی بلکہ اسی بنا پر مئی کہ وہ انگریزوں کے ماتحت اور مددگار تھے انگریزوں نے انکو ہندوستان میں اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے افغانستان کے راستے میں مدد سکندری اور آجہی دیوار بنایا تھا اسی لئے ان کا قلع قمع کرنا لازمی تھا

(نقش حیات ص ۲۲)

اب یہاں کیا سمجھتے ہیں نا کہ اپنی اس آجہی دیوار میں رخنہ ڈالنے کیلئے اور اپنی مدد سکندری کو سے کیلئے جناب سید احمد بریلوی اور ان کے غازیوں کی مدد شروع کر دی اور انھیں ہندو قتل خان اور تیر و تنگ سے آراستہ کر کے کہا کہ جاؤ پہاڑوں میں جاؤ اور جہاد کے نام

ن آجہی دیوار کو سمار کر کے ثواب دارین حاصل کرو۔ کہا انگریز اتنے ہی احمق اور بیوقوف تھے کہ اپنی ہی دیوار میں ٹوڑنے کیلئے سید صاحب فراہم کر دیتے۔ اور کیا انگریز ہندوستان میں اتنے ہی کمزور تھے کہ سید صاحب اور سید اسماعیل صاحب سے خوفزدہ ہو کر انھیں مسلح کرنے لگے تھے۔ اور غضب یہ کہ ایک جہاد کیلئے سفری سہولتیں مہیا کر رہے تھے کہ مزید طاقتور ہو جائیں۔ ان توجہات کو سادہ مرید تو مطمئن ہو سکتا ہے مگر ان دشمنوں سے دوسرے لوگوں کو مطمئن نہیں کرتا۔ مولانا مدنی کی یہ بیڈھب منطق صرف ان کے ارادت مند شاگردوں کے کام آ سکتی۔ سرول کی فرسٹ اسکل بلندی کو نہیں چھو سکتی۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے کہ سید صاحب اور ان کے شریک کارامیروں اور راجوں، انوابوں کے پاس کھلے عام جایا کرتے تھے اور ان سے ہر قسم کا تعاون حاصل کرتے۔ کیا برٹش گورنمنٹ اتنی ہی بے خبر تھی کہ اسے انکی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوتا تھا؟ گریز گورنمنٹ کبھی بھی کسی دور میں بھی اتنی غافل اور بے خبر نہیں رہی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سید صاحب سے باز پرس کی اور نہ ہی اپنے وقار و نوابوں اور جاگیرداروں سے کچھ پھر کیا کہہ جائے۔ بات بڑھ جائے گی یا ران چین جانے دو

معد جہاد کی وضاحت | مولانا مدنی مقصد جہاد پر بھی بحث فرماتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں

جہاد کے لئے پوسے ملک کا دورہ کیا۔ غریبوں، فقیروں، امیروں و ذریعوں سے چھوٹے راجوں، انوابوں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی حاضری دی اور ہم جہاد تعاون حاصل کئے کئے گئے۔ حرب و ضرب کی تربیت دی گئی۔ جنگ کی مقصدیہ بندی ہوئی اور غازی تیار کئے گئے اور نہ صرف یہ کہ انگریزوں نے انکی تیاریوں سے چشم پوشی کی تیاریوں میں ان سے تعاون کیلئے واضح احکامات بھی جاری کئے گئے۔ اس سلسلے میں سہو قتل کا اس طرح بندوبست تھا کہ انگریز پوسے پوسے قاتلے کا کھانا پکوا کر حاضری

ان حضرات کی یہ نادر داری کیوں کیجاتی تھی۔ بلکہ متعلقہ حکام کو یہ تہنیت کیجاتی تھی جو راجہ دار کچھ نہ کہا جائے۔ یہ ہماری دردمندی کا باعث نہیں بنتی مگر کاروان سے کرنا جناب حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں۔

سید صاحب کا مقصد ہندوستان کے ہندو اور مسلمان دونوں کو الیٹ انڈیا کے تمام ولتدار سے نجات دلانا تھا انگریز خود اسے محسوس کرتے اور اس تحریک سے ہر مخالف تھے اس بنا پر جب سید صاحب کا ارادہ محکموں سے جنگ کرنا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کے سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی

(نقش حیات ص ۱۹)

آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ ارادہ محکموں سے جنگ کر آگے فرمائیے سکھ نہیں۔ مراد انگریز تھے۔

مولانا مدنی اور انکی کتاب "نقش حیات" دونوں ہی ہیں۔ گاندھی فلسفہ کے بھرپور حامل و متبع ہیں یہ بھی مقصد تھا اور وہ بھی "اگر جناب مدنی کی صرف اس کتاب کا تجزیہ کیا جا تو اس کے لئے یقیناً ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی مثلاً اسی کتاب پر تحریر فرماتے ہیں۔

جہاد سے آپکا مقصد خود اپنی حکومت قائم کرنا ہرگز نہیں تھا بلکہ دین کی خدمت تھا

(نقش حیات ص ۳۲۱)

اور پھر اس خدمت دین رب العلمین کی وضاحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں :
بیشک سید صاحب جگہ اعلائے کلمۃ اللہ اور دین رب العلمین کی خدمت ذکر کرتے ہیں اور اسی کو اپنی ساعی کا محرک بتاتے ہیں۔ لیکن آپ خوب سمجھتے ہیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ صرف یہی نہیں ہے کہ ایک فرقہ دار کو غنیمت قائم کیجائے۔ اور خود حاکم بنکر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے۔ اس کا سبب زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ برادران وطن کو سیاسی اقتدار میں شریک کر کے اسلامی فضائل اخلاق سے انکے دلوں کو فتح کیا جائے۔ اقلیت و اکثریت کے مسئلہ کی کوئی پیچیدگی آپ کے ذہن میں نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک یہ دونوں بے حقیقت چیزیں تھیں۔ جو اپنے عمل میں زیادہ پر جوش، فداکارانہ اور مخلص و دیانتدار ہوگا امامت اور لیڈرشپ اُسی کے ہاتھ میں ہوگی خواہ اقلیت کے فرقہ سے یا اکثریت کے فرقہ سے

(نقش حیات ص ۳۲۲)

یہاں اسکی تشریح میں اسکے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ

لیکن غلاموں میں ایسے اصحاب علم و فضل ایسے اور باب فہم و دانش ایسے صحاباں نہ بد و تقویٰ ایسے حامیان کتاب و سنت بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں جو کافروں اور مشرکوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کے ذوق و شوق میں اپنے ہم مذہبوں اور ہم قوموں سے جہاد کر سکتے ہیں

(فائدہ عظم محمد علی جناح اور انکا جہاد ص ۲۹۵)

مسلمانوں ہی کے ہوسے چٹاٹوں کو تہتر کر سکتے ہیں۔ انکے لئے انکے دل میں کوئی گوشہ نہیں بگڑا برادران وطن کی محبت میں مذہب و ملت کے اصولوں کو بدلاجاسکتا

جناب بنگلوری فرماتے ہیں

انتبار سے مہاراجہ نہایت سنگمہ کو مسلمانوں سے لظاہر کوئی تعصب نہیں تھا۔ ہندوستان کی دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمان سکھ قوم سے قریب تر تھے۔ اگر مسلمانوں کو اور ریخت سنگمہ کو مسلمانوں سے تعصب ہوتا تو پیرزادہ عزیز الدین انکے وزیر اور متمدن خاص کیوں ہوتے اور انکے توپ خانہ کا افسر اعلیٰ المہین بخش کیوں ہوتا اور وہ توپ خانہ الہی بخش کے نام سے کیوں موسوم ہوتا مگر انکی فرج اور انکے سردار یقینی طور پر بے قابو تھے۔

ہاں کی سنگمہ سلطنت جب کمزور ہوئی تو مرہٹوں نے شمالی ہند پر حملہ کر کے ملک کے حصہ پر قبضہ کیا۔ مرہٹوں اور راجپوتوں کی ریاستیں عرصہ دراز سے قائم تھیں اس لئے وہ ملک داری اور حکمرانی کے طریقوں سے بخوبی واقف تھے اور اپنی رمایا کے مذہبی جذبات کا پاس دلخذا کرتے تھے چنانچہ مرہٹوں نے مسلمانوں کی مدد والوں کو جو قاضیوں کے تحت میں تھیں بجنسہ قائم رکھا اسی وجہ سے مسلمانوں نے انکی عملداری کو دارالاسلام تسلیم کر دیا جہاں جہاد لازم نہیں آتا

مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۱

تو پھر سید صاحب نے بلاوجہ جہاد کا گورکھ دھندا پھیلایا تھا۔ وزیر بھی مسلمان تھا۔ خانہ کا افسر بھی مسلمان تھا۔ اور سکھ مسلمانوں سے قریب تر بھی تھے۔ اب ہم کیا بتائیں کہ ہندوستان میں مذکر حسین بھی مسلمان تھے، کانگریس کے صدر ابوالکلام بھی مسلمان تھے اور دوسری اقوام میں بڑے کرتا دھرتا بھی مسلمان تھے۔ مگر اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے نہ تھے۔ جہاں خمیر کا سودا سونے کے سکوں سے ہو جائے وہاں مسلمان کی کانپیں پتہ نہیں چلتا۔ پیر مرہٹوں سے بھی جہاد ناروا تھا۔ اگر نیردوں سے جہاد نا درست، ہندو برادران وطن، سکھ غیر مسلم اور قریب تر مرہٹے کی حکومت دارالاسلام۔ پھر جھگڑا کیا تھا۔ کیا پہنٹاٹوں میں صرف مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی تھی

سیاسی بلیک میلنگ

انگریزوں سے جہاد کے سلسلے میں جو بات کرنا
وہ یہ ہے کہ ان حضرات کے دوسرے مقصد

انگریزوں سے جہاں کہیں بھی جنگ و جدال کی نوبت آئی وہ صرف سیاسی مفاد کا نام
دوسرے غفلتوں میں اگر اسے سیاسی بلیک میلنگ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا
جب تک انگریزوں اور وہابیوں کا مفاد مشترک رہا کبھی ایک دن بھی ٹکراؤ نہیں ہوا
مگر اگر تارک اور مجاہدین سکھوں سے کم (کیونکہ وہ قریب تھے) اور بقول ان کے مسلمانوں
نفاذی منافقوں، پٹھان مشرکوں سے زیادہ جنگ کرتے رہے۔

اور اگر یہ صحیح ہے کہ ان کے لئے لڑنا بہت کم ہے تو نہیں کہنے دیجئے کہ ہم بیٹوں کو دیکھو
ان کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہاں سالہا سال پر پھیلی ہوئی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں
موسمے بازی کا ایک نہ ٹوٹنے والا تسلسل نظر آتا ہے۔ مثلاً یہ کہ مولانا حسین احمد
مدنی نے قائد اعظم سے تیس ہزار روپے طلب کئے۔ مگر قائد اعظم نے انکار کر دیا۔
اس سے ابوالکلام صاحب کی معرفت ساٹھ ہزار میں سودا ہو گیا اور برادران وطن میں
باب مفتی محمود صاحب نے جناب شورش کے قول کے مطابق صدر جنرل محمد ایوب صاحب
سے دو لاکھ روپے میں اپنے دوٹ کا سودا کیا تھا۔ اسی طرح جناب ذوالفقار علی بھٹو
دوسرے بازی ہوئی اور سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے چل یہ کہ جہاں سے کچھ مل گیا وہ برادر
میں تو سیاسی بلیک میلنگ جاری۔ اور یہ جراثیم بیوقوفوں سے لیکر بڑوں تک میں ایک
سے موجود ہیں۔ یہاں بجاطور سے کہنا پڑتا ہے کہ

ایک ہم نہیں کر لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑا ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنانا آتی ہے
بہر صورت اس جہاد میں پٹھانوں نے تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اور سکھوں نے انگریزوں
کو ملی اور مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی فتح کے یقینی الہامات محبت قتل کر
تو پہلا دور ختم ہوا۔ اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا

اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزوں کی چال بہت گہری تھی۔ وہ بلیک
میلنگ کو توڑنے کو کمر در کمر رہے تھے "سکھوں" پٹھانوں اور سید صاحب کے

رفت یہ کہ پیدا برصغیر بڑپ کرنا چاہتے تھے بلکہ انکی حریفیں کابل و غزنی
مکرند و پنجاب کو پار کر رہی تھیں چنانچہ جب تک دہلی سکھوں اور پٹھانوں
انگریز نہایت خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا اور دونوں فریقوں
اس سے سرفراز نہ رہا۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ پٹھان اور سکھ دونوں ہی مکرند
پار کرنے میں ناکام رہیں گے تو اس نے سکھوں سے صلح کر لی اور مجاہدین کو جنگ بندی کا حکم دیدیا۔
(اس آگے آ رہی ہے)

۱۔ حال یہ کہ ۱۸۳۱ء میں جنگ بالاکوٹ کے
تاکہ پہلا دور اور تیسرا دور | بعد تحریک مجاہدین کا دور اقل ختم ہو گیا اور
مجاہدین کی انگریزوں سے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

۲۔ اس میں مولوی نصیر الدین کے انتقال کے بعد بقول مولانا مہر اور ایوب قادری (م)
مجاہدین کا دوسرا دور بھی ختم ہوا اور اس میں بھی انگریزوں سے جہاد کا کوئی آغاز نہیں ہوا
۱۹۰۷ء اکتوبر ۱۹۰۷ء میں مولانا دلائی علی کو تحریک مجاہدین کی قیادت سپرد ہوئی اور یہاں
تاکہ تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ حالات و احوال جناب ایوب قادری سے سنئے۔

۱۔ انا دلائی علی نے تحریک مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اس وقت کھنجر کے
ابگلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ چھڑی ہوئی تھی راجہ کو شکست ہوئی
اور اس نے انگریزوں کے سایہ میں جا کر پناہ لی جو اس وقت تک پنجاب کے ایک
مستے پر قابض اور ملکی معاملات میں پوری طرح دخل ہو چکے تھے۔ مارچ ۱۸۴۹ء
میں نام پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا ۱۸۴۹ء سے تحریک جہاد کا ایک نیا موڑ
شروع ہوتا ہے۔ چونکہ اب تک متقابل سکھوں سے تھا اس لئے سرکار کمپنی خاموش تھی
جب پنجاب اسے طور انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین کی سرگرمیاں
انگریزی حکومت کو ایک نظر نہ بھائیں۔

حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر مولانا دلائی علی اور ان کے بھائی مولانا
غیاث علی اپنے وطن پٹنہ چلے گئے اور وہاں مجلس شریعت کے سامنے دو سال کیے چکے
(چنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

کیا انصاف پسند حضرات جناب الیوب قادری کی متدبیرہ بالا عبارت ۲۰ کرینگے۔ اس عبارت سے صاف خیال ہوتا ہے کہ سال ۱۸۲۶ء تک انگریزوں اور اس روایت کے بعد یہ بات بھی ناقابل یقین ہے کہ انگریز مجاہدین کسی نوعزدگی کی وجہ سے انگریز مجاہدین کیلئے اسلحہ فساد کمرے تھے۔

اور یہ کہنا کہ حضرات مجاہدین خالص لوجہ اللہ جہاد فرماتے فشریف نے گئے بھی عمل نظر ہے۔ درنہ بتائیے کہ وہ کیا مصلحت تھی کہ ولایت علی اور ولایت علی جہاد ترک کر کے بلند و بالا پھاڑوں سے نیچے اترنا پڑا حیات سید احمد شہید کے صاحب فیضی اپنی کتاب آزادی کی ان کہی کہانی میں لکھتے ہیں۔

جب گلاب سنگھ اور سرکار انگریزی کا آپس میں معاہدہ ہو گیا تو اس وقت سرکار انگریزی نے ایک خط تمام مولوی ولایت علی صاحب لکھا کہ اب گلاب سرکار انگریزی کی حمایت میں ہے اس وقت اس سے لڑنا نہیں گوارا کرتے لڑنا ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اسکے ساتھ لڑائی بند کر دو۔ (آزادی کی ان کہی کہانی)

اور پھر اس حکم نامہ کے تحت جنگ بندی کی فیضی صاحب لکھتے ہیں

اس کے بعد لڑائی بند کر دی، ہتھیار سرکار کے پاس جمع کر دئے اور قیمت دیا کر لی اور انگریزوں نے مجاہدین کا شاندار استقبال کیا اور ان کی دعوتیں بھی کیں (آزادی کی ان کہی کہانی)

ان واقعات کی تفصیل، حیات سید احمد شہید سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی محمد جعفر نے اس وقت انگریزی سرکار نے ایک خط بنا، مولوی ولایت علی صاحب اس مضمون کا لکھا گلاب سنگھ نے سرکار انگریزی سے معاہدہ کیا ہے۔ اور اس معاہدہ کے بموجب وہ انگریزی کی حمایت میں ہے اس وقت اس سے لڑنا نہیں گوارا کرتے لڑنا ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اسکے ساتھ لڑائی بند کر دو۔

(حیات سید احمد شہید جعفر نقاشی)

مجاہدین اور روسیہ فوج لڑنے کی تیاری میں مولوی ولایت علی صاحب نے قرین مصلحت سے سمجھ کر انگریزی سرکار کے فساد کی اطاعت قبول کر لی (حیات سید احمد شہید ص ۳۳)

علی کی لاہور میں آمد

مولوی حضرت (یعنی میرا دلا علی اور مولوی ولایت علی) مع فوج و توپ خانہ وغیرہ اسان جنگ کے لاہور پہنچے۔ ان ایام میں جان لانس صاحب بہادر پنجاب کے مکتشتر تھے چیف مکتشتر صاحب بہادر نے دو منزل آگے بڑھ کر مولوی صاحب کو مدد کیا اور نہایت گرم جوشی سے ان کو لاہور لائے اور بہت تعریف اور شجاعت اور بہادری ان حضرات کی کر کے۔ خاصاً شاہ رئیس بالا کوٹ اس کی بیوفائی کی وجہ سے بہت تقریب کی اور بہت سی گفتگو کے بعد جان لانس صاحب بہادر اور ان دونوں حضرات کے درمیان یہ بات قرار پائی کہ دونوں حضرات مع ان ہندوستانی مجاہدین کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور تمام اسلحہ جات مع توپ خانہ انگریزی سرکار کے ہاتھ فروخت کر کے روسیوں کی بقایا تنخواہیں سے کر انکو بروا صحت کر دیں۔

(حیات سید احمد شہید ص ۳۴)

اور یہی تمام فیصلہ صاحب لکھتے ہیں۔ آخر کار ۱۸۲۶ء یعنی سرکار بالا کوٹ کے ہندو برس ۱۸۲۶ء میں پنجاب متعصب سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ہماری عادل سرکار کے قبضہ میں کتاب مذکور ص ۲۹۱

مجاہدین کی دعوتیں اور پلٹنے کو روانگی

دعوتوں کے سلسلے میں ہم دو حوالے "سیرت سید احمد شہید مصنفہ جناب ابو الحسن علی ندوی ص ۱۱۷" سے اپنی کتاب ہماری کے دانت میں لکھ چکے ہیں۔ اور وضاحت کی ہے کہ یہ مجاہدین ان کس طرح انگریزوں کی دعوتیں اڑایا کرتے تھے۔ اور انگریز کس طرح ان کے لئے کھانے پکوا دیا

کر چشم براہ رہا کرتے تھے وہ جہاد سے پہلے کی ابتدائی دعوتیں تھیں اور اب حصول دعوتیں بھی دیکھئے۔

اور حکومت سے بڑا آزما ہونا خلافت مصلحت سمجھتے تھے۔

— ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۱۸۵۷ء —

اس روایت کے بعد بھی کوئی شک و شبہ نہ بجاتا ہے یہی بات جو سید صاحب کے بہت سے کہیں ہے اگر کوئی اور کہدیتا تو خوفناک و صحا کوں سے زمین تھرا اٹھتی۔ مگر یہ بات نام صاحب ندوی نے فرمائی ہے اس لئے اسٹیج خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ گلاب جہادین اور انگریزوں کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا وہ انگریزوں کے اور بھی انگریزوں کا مقصد تھا جو قسیر سے دور رہیں پورا ہو گیا۔

بات سمجھیں نہیں آتی کہ جب مجاہدین کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد تھا۔ یعنی پہلے تمام کر کے۔ بلکہ اس سے بھی پہلے پٹھان مشرکوں کی صفائی تھی۔ پھر حکموں کی پھر انگریزوں کے ساتھ تو سکھوں کے خاتمہ کے بعد تو پ خانہ انگریزوں کے حوالے کیوں کر دیا گیا اصل شروع ہونا تھا پھر خلافت مصلحت اور ”خواجہ“ کیوں ہو گئی۔ مینو اتوجروا

میر پکاٹی جتن سے چمر نہ دیا جلا آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا

یوں تو سید بادشاہ الہاموں کے بادشاہ

حضرت کا الہام اور چھوٹے حضرت کی تاویل

پوری تاریخ نت نئے الہاموں سے لبریز ہے اگر ان بڑے حضرت کے الہامات ہی جمع ہوں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب جمع ہو سکتی ہے۔ مگر ہم یہاں بطور تبرک مولوی محمد جعفر کی کتاب ”حیات سید احمد شہید“ سے صرف ”انتباس درج کرتے ہیں اور قارئین فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

سید محمد یعقوب کی روایت سید محمد یعقوب آپ کے بیانیے سے روایت ہے کہ قوت الہی حضرت ابن آپ اپنی ہمیشہ یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے نصرت ہونے لگے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میری بہن میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تک ہندو کا شرک اور ازل کا رخص اور جن کا کفر اور افغانستان کا اتفاق میرے ہاتھ سے ہو گا ہر مردہ صحت زندہ نہ ہو گا۔ اے اللہ رب العالمین یہ کہو نہیں سنا ہے

سرجان لائسن صاحب سپاور نے ایک روز گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے صاحب کی مع کل مجاہدین کے دعوت کی اور دوسرے روز خود صاحب نے اپنی طرف سے قافلہ کی دعوت کی قسیر سے روز مولوی رجب علی صاحب نے چیف کشتری پنجاب کے میسنرمنشی تھے دعوت کی اس کے بعد اپنے ضرر چھ انگریزی سرکار نے باہتمام و اکرام مولوی صاحب کو مع بقیر مجاہدین کے بلشتہ پنجاہ (حیات سید احمد شہید ص ۲۱۱)

یہ تمام باتیں ہمارے اس موقف اور نظریات کی تائید کرتی ہیں کہ ان مجاہدین کے کبھی بھی کوئی باقاعدہ جنگ نہیں کی بلکہ انگریزوں کی سازش کا شکار ہوئے، یا پھر انگریزوں سے سودے بازی کرتے رہے یعنی ادھر تم ادھر تم، مگر انگریز ان سے کہیں زیادہ اس نے انکی ہر سیاست پٹ کر دی اور دہائی اسٹیٹ کے قیام کا خواب درہم برہم ہو گیا ان حضرات نے انگریزوں کے عطا کردہ ہتھیاروں کے بل بوتے پر حکموں سے جان مانوں کو پامال کیا۔ اور انگریزوں کی گلاب سنگھ کی صلح کے بعد ہتھیار مع توپ خانہ انگریزوں کے پاس کر دئے (اور انعام بنام فردنگی ہتھیار حاصل کئے)

اللہ تعالیٰ کا قتل نام جہاد بطور منافع ملا۔ اس باب میں جناب مسعود عالم صاحب ندوی نے اس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ بوری تھی۔ راجہ کو شکست ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سامنے میں جا کر پناہ لی جو اس وقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے حکومت نے مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ خود انگریزی حکومت نے لڑائی مول لینا ہو گا

حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعہ حکموں کی طاقت توڑ دی جائے اس لئے شروع شروع میں مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی لیکن پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہ میں کھٹنے لگے۔ مجاہدین بھی

اگر قبل از ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق
حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے دروہم گیا یا مارا گیا تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار
کرنا کیونکہ میرے رشتے مجھے وعدہ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پور کر دیا

رحیات سید احمد شہید محمد جعفر نقانیر ص ۱۹۲

ملاحظہ مکتوبات احمدی میں سید صاحب کا اصل مقامی الضمیر بڑی صریحت کیہ
بیسویں مختلف واقعات پر ظاہر کیا گیا ہے اور اکثر مکتوبوں کی تحریر سے واضح ہوتا ہے
کہ "وعدہ فتح پنجاب" کے الہام کا ایکو ایسا وثوق تھا کہ آپ اسکو سرسرقا وادہ ہوا
بات سمجھ کر بار بار فرمایا کرتے تھے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں
جو دوسرے شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے
ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھکو موت نہ آئے گی لیکن واقعہ بالاکوٹ
"خواہ شہادت ہو خواہ غیبت" بظاہر اس یقینی الہام کے سرسرقا وادہ ہوا اس کا
جواب یہی ہے کہ از مدئے اصول شریعت محمدی کے الہام ایک غلطی چیز ہے اور اسکی
مادول وغیرہ میں صوطر کی غلطیوں کا گمان ہوتا ہے۔ یہ تو ضرور ہوا کہ وقوع کے
پندرہ برس بعد سلطنت پنجاب متغیبات اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر
ایک ایسی عادل اور آزاد اور لائندہ قوم کے ہاتھ میں آگئی کہ جسکو ہم مسلمان
اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کر سکتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل
یہی ہوگی جو ظہور میں آئی۔

حیات سید احمد شہید ص ۱۹۲

دیکھئے یہ کیا کہہ رہے ہیں یعنی انگریزوں کی فتح کو ہم مسلمان اپنی ہی فتح تصور کرتے ہیں۔ کیا اس سے
کمی ممکن ہے۔ اور یہ کیوں نہ ہو کہ سید صاحب اور ان کے مقلدین انگریزوں کی حکومت اور عملداری کا
عملداری سمجھتے تھے۔ عین تفادوت رہا کہ انکا است تا کجا

سید احمد شہید اور شیخ اکرام کی گواہی
انکی گواہی یقیناً مضبوط گواہی ہے جناب

مرد و صاحب افادات و مکتوبات مولانا عبد اللہ سندھی میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں سید بابر بیز کے مقام پر گیا۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید
اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے ادھر
چلایا وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا
وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے
کس بری حالت میں ہے اور اسکی گزراں اور اسکی زندگی کس طرح صابزادہ عبد القیوم
خال کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہن منت ہے
(از امتیاز حق ملک راجہ غلام محمد)

تقریباً یہی بات جناب شیخ محمد اکرام صاحب نے بھی کہی ہے مگر انداز میں کچھ فرق ہے ()
دہلی دہلی ص ۱۱ ہے اور لچہ مدہم مدہم ص ۱۱ پھر بھی اگر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے
سہا تے ہیں۔

بلکہ کبھی کبھی تو یہ خیال آتا ہے کہ بعض مرتبہ آوردہ مجاہدین مثلاً مولانا محمد بشیر
جنکے مولانا مہر محمد راج ہیں۔ اور جنھیں امیر حبیب اللہ خاں بارہ ہزار روپے سالانہ
تنظیمی اخراجات کیلئے دیا کرتے تھے (دوسری قوتوں کا آئہ کار تو نہیں بن گئے تھے
امیر نعمت اللہ کے زمانے میں اسمت کے جو حشم دیدہ حالات مولانا محمد علی قصوری
نے لکھے ہیں ان کو پڑھ کر طبیعت کو دکھ ہوتا ہے۔
(موج کوثر ص ۵۵)

مولانا محمد بشیر کی کہانی
یہ تو جناب شیخ اکرام کا اشارہ ہے در نہ باتیں جو جناب محمد علی قصوری
نے تحریر فرمائی ہیں قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں مولوی
سید احمد کا اصل نام مولوی عبد الرحیم تھا قصوری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بڑی قابلیت اور سیاسی
مجہد تھے کے مالک تھے۔ یہ امیر صاحب (امیر حبیب اللہ سے رقم لیکر چلے گئے اور ایک ہفتہ
بعد واپس آئے تو یہی کامیاب تھے گویا انھوں نے امیر صاحب کا کام کر دیا تھا اور پاکستان
الذہ سے امیر صاحب کی اطاعت کے خطوط حاصل کر لے تھے۔ دوسرے لفظوں میں مجاہدین کو

جو امیر حبیب اللہ اور انگریزوں کی طرف سے تھے انہوں نے امیر حبیب اللہ کا مقابلہ دوسرے لفظوں میں امیر حبیب اللہ کی اطاعت انگریزوں کی اطاعت تھی۔ امیر ص ان اطاعتی خطوط سے اتنے خوش ہوئے کہ انہیں ملائیشیر کا خطاب عطا فرمادیا بلکہ کہہ کیلئے اپنی طرف سے مختار نامزد کر دیا امیر حبیب اللہ کو انگریزوں نے تخت نشین کیا تھا۔ سے اعشارہ لاکھ روپے صرف اس لئے ادا کرتے رہے تھے کہ امیر صاحب افغانی تبار پر ملغاکر کرنے سے روکتے رہینگے اور امیر حبیب اللہ غالباً یہ کام مولوی بشیر سے لیتے اگر تاجک کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ امیر حبیب دومری پالیسی پر عمل کرتے تھے ایک طرف انگریزوں کو وفاداری کی یقین دہانی کرنا اور دوسری طرف بجاہدین سے وعدہ وعید کرتے رہتے تھے ضرورت کام آئیں۔

کیا بیشخص صاحب نہیں جانتے کہ بات جب دکھ کی ہو تو دکھ ہی ہوتا ہے۔ مباحثہ بڑے جتن سے بجاہدین کی شان و عظمت کا ایک گھر دنا بناتے ہیں اور پھر لپٹانک ہ کا ایک جھوٹا کیمیت کے ان گھر دندوں کو نابود کر دیتا ہے۔

زمشادہات کابل و یاغستان
زیر قلم مسطور کے باب سے میں یہ خاکسار بھی وہی کر گیا جو مولانا محمد علی قصوری نے لکھا ہے کہ حالات و واقعات کو پڑھ کر جبریت حاصل نہ کجا مے جناب قصوری تحریر فرماتے ہیں زیر دست اسلاف کے جانشین نہایت نالائق اور نااہل لوگ بن گئے۔ جنھوں نے عقیدت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور اس روپر کو جو جہاد کیلئے بھیجا جاتا تھا اپنی عیش پرستیوں کیلئے برباد کرنا شروع کیا۔ چونکہ اس جماعت کے مرکزی لیڈروں کی سرگرمیاں پچھلے پچاس سال میں نہایت شرمناک رہی اور وہ عام مشائخ اور پیروں کی طرح ہر قسم کے فریب اور جھوٹ سے اپنی دوکان کی رونق بڑھاتے رہے ہیں اور ہندوستان کے نہایت مخلص آدمیوں کو بھی اپنا آلہ کار بنانے سے نہیں چوگے اور میں خود بھی انکے فریب کا تمکار رہ چکا ہوں اس لئے میں

بازوں کو انکے پوست کندہ حالات بیان کروں اور مجھے ان کے درمیان رہ بن حالات کا علم ہوا انھیں جماعت اہل حدیث اور عام مسلم پبلک کے فائدے کے لئے نقاب کردوں تاکہ لوگ آئندہ انکی دھوکہ بازیوں سے بچیں۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۹۳)

بن کا بیت المال
جبکہ بلاغرت غیرے مالک امیر المجاہدین جناب نعمت اللہ صاحب تھے اور اللہ کی یتیم نعمتیں انھیں کے لئے وقت میں اسکے مالک و مختار تھے۔ جسکو چاہتے نعمتوں سے نوازتے اور جس کو چاہتے محروم جناب قصوری لکھتے ہیں۔

ن شخص کو بیت المال کے متعلق امیر صاحب سے سوال کرنا کا حق نہ تھا میں نے سنا کہ بعض گستاخوں نے بیت المال کے متعلق سوال کرنا کی جسارت کی مگر اسکا جواب یہ ملا کہ رات کو چپکے سے امیر صاحب کے معتمد انھیں ختم دیتے تھے۔ اور پھر اسکا ذکر بھی کوئی نہ کرتا تھا۔

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۱۰۱)

نعمت اللہ اور سپاہیوں کی بیٹیاں
محل وقوع کے اعتبار سے وہ علاقہ نہایت حسین، پرفضا، جنت نظر تھا۔ پھولوں، دروں کی بہتات تھی۔ چشموں کی فراوانی نے ہر طرف حسن و شادابی بکھیر رکھی تھیں۔ مولانا نے ان علاقوں کے حسن کے جمال کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں جب میں پاپا تو اس جماعت کی عنان افندہ امیر نعمت اللہ کے ہاتھوں میں تھی۔

امیر نعمت اللہ مرحوم مسلمان امرا و مشائخ کی طرح غورتوں کے ہمہ شوقین تھے تین تو ان کی نکاحا بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے امیر حبیب اللہ خاں کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ دقت انھیں نوجوان لڑکیاں سے ہوا و لعب میں گذرتا تھا۔
(زمشادہات کابل و یاغستان ص ۱۰۱)

ایک خاص حلقہ ان لوگوں کا تھا جو امیر صاحب کے حوالی موالی تھے انھیں خدمات کے صلے میں امیر صاحب ہمیشہ داد و پیش سے نوازتے رہتے تھے۔ بعض لوگ تو امیر صاحب کے جاں نثار خدام میں سے تھے جو امیر صاحب کو اپنی اشیائے ہر قسم کے جبرائیم کرنے پر آمادہ و تیار رہتے تھے۔ مثلاً اگر امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے تو اسے کو پیڑا ہونے کے بعد گلا گھونٹ کے چپکے سے دریا برد کر دیتا امیر صاحب کی عادت تھی۔ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادماںیں اسطرح الگ کیجاتی تھیں۔ انکی شادیاں انھیں لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی۔ اور اسے نہایت عمدہ چیز اور ماہوار خرچ ملجاتا تھا اور یہ امر اس درجہ راز و مخفی تھا کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد امیر صاحب کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔

(مشاہدات و کابل و یاغستان ضلہ)

ایک اور تند و ہنناک انکشاف

بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سیمان اللہ اور ان سے چھوٹے ماما اور انکا مجموعہ لا حول و لا قوۃ الا باللہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اگر یہ لوگ واقعی جیسا کہ مولانا قصوری نے تحریر فرمایا۔ بلکہ یہ لوگ یقیناً اسی فطرت کے تھے تو انھیں اجاڑ دینا چاہیے گا۔

کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ان کا سارا پروگرام ہی سونامی کے پنڈتوں کی طرح تھا۔ ”اور انکی خفیہ کاروائی تو بالکل ہی مندرول میں رہنے والے جاں نثاروں کی طرح میں جب نے ان معاملات و واقعات کی تحقیق کر رہا ہوں (جواب بھی جاری ہے) ایک ماہ میرے ذہن کو چھینچھوڑتا رہا ہے۔ کہ یہ لوگ ہندوستان آکر اپنے بال بچوں میں نہ کیوں پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تھے۔ اسکی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ ان خادماں پہاڑوں میں بھی ”بال بچے“ بنائے ہوئے تھے اور بے شمار چندوں پر عیش کرتے

اداب و ادبوں کو چھوڑ کر اور انکی جبین تقلیدوں سے منہ موڑ کر ہندوستان میں اہل سنت تھے۔ اب سنئے نعمت اللہ کے بعد امیر برکت اللہ کی داستان دل موری لکھتے ہیں۔

نعمت اللہ کے بعد انکے برادر امیر رحمت اللہ جماعت میں صاحب اثر و سرور و چنگیز بیت المال امیر نعمت اللہ کے قبضے میں تھا اس لئے ہر شخص امیر کی نظر عنایت کا محتاج تھا ورنہ نفاق کشی سے خاتمہ یقینی تھا امیر نعمت اللہ ان قدر ہوشیاری سے اپنا جاں بچا رکھا تھا کہ کوئی شخص انکے سامنے دم نہ لاتا تھا۔

نعمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدعین اور آوارہ مزاج نوجوان تھے۔ امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا تو انھیں نوجوانانہ محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر بنا رکھا تھا۔ نعمت اللہ کی اولاد نرینہ میں سے سب سے بڑا اور کاربرکت اللہ تھا۔ جو مانا اس وقت نوسال کا تھا لڑکا خاصا خوبصورت اور بگڑا ہوا صاحبزادہ تھا۔ وقت دو تین او با ش نوجوان اسکی مصاحبت میں رہتے اس لئے اس کا وارہ ہونا لازمی تھا۔

(مشاہدات و یاغستان ضلہ)

تاک بہتکندہ

ایک تھے مولوی دلی محمد صاحب جنکا نام مولوی محمد موسیٰ رکھا گیا تھا حال یہ تھا کہ خاذا و نادر ہی کوئی اصلی نام سے رہتا تھا کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کا نام بھی محمد سلیمان رکھا گیا تھا۔ حال یہ کہ مولوی صاحب پنجاب کے نہایت مخلص کارکن تھے بے شمار چندہ بھیجا کرتے تھے یہ جب ہمیں توہ قصوری صاحب سے

امیر نعمت علی نے مولوی محمد موسیٰ کو (ولی محمد کو) اپنے لئے لینے کیلئے پہلے انکی شادی ایک خوبصورت لڑکی سے کر دی اسکے چند ماہ بعد ایک دوسری خوبصورت لڑکی

... سے ان کی شادی کر دی اب ان کی دہریاں ہو گئیں۔ یہ
یعنی محمد مہدی صاحب یا مکمل مغلوں کو جو گئے جناب قصوری صاحب انکی ز...

پہلے انہوں نے امیر نعت اللہ کی بدعنوانیاں، ان کا عورتوں کیساتھ ملہ
جہاد سے غفلت و اعراض جماعتی فنڈ کو اپنے اغراض مشوہ کی تکمیل
استعمال کرنا سب پیش کئے۔ اور کہا کہ مجھے تو شرم آتی ہے کہ میں پنجاب
کے متعلق اتنا جھوٹا پروپیگنڈا کرتا رہا اور لوگوں کو جماعت کے فرضی کار
کی داستانوں سے اپنی طرف مائل کرتا رہا یہاں آکر ایسا معلوم ہوتا ہے
میں حالت خواب میں تھا اور اب آنکھیں کھلی ہیں تو ایک بھیانک منظر
ہے۔

(مشاہدات کاہل و یاغستان ۱۱۳)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی اکثر داستانیں فرضی اور جھوٹی ہیں۔

مولانا قصوری کا اظہار حقیقت

یہ مسئلہ انقلابی تحریکیں لیڈر پیدا کرتی ہیں یا لیڈر اپنی ہوشیاری، تدبیر اور قہر
انقلابی تحریکوں کو چلاتے یا کامیاب بناتے ہیں مرضی اور اندھے کی پیدائش کے مشابہ
ہے مگر ہم نے تو آزما کر دیکھا کہ اکثر تحریکیں لیڈروں کی ناعاقبت اندیشی یا بزدلی سے
ہندوستان میں ہم نے مسلمانوں کی مذہبی تنظیم کی تحریک اٹھائی مگر اس میں بھی
مولانا ابوالکلام کو نام الہند بنا کر تمام تحریک ان کے بل بوتے پر کھڑی کی مگر
آزاد کی بزدلی نے تمام کھیل بگاڑ دیا۔ اور سائے کا سارا محل جسکی تعمیر پر لاکھوں روپے
تھا اور سیکڑوں مسلمانوں نے اسے اپنے خون سے سینچا مولانا کی گریز پائی کہ
آن کی آن میں دھڑام سے نیچے آگرا۔

اس طرح سلطان ابن سعود کی تحریک "الاخوان" جسکے متعلق اچھا بچھا
خیال تھا کہ عرب کی کامیابلیٹ سے لگی وہاں لیڈروں کی نالائقی اور کوتاہ اندیشی کا
یہی حال ہماری تحریک کا ہوا۔ ہماری تحریک ایک ہتھ آڑ بردست انقلابی تحریک سی

اللہ کی ذات مہدی اور اپنے حسن ظن یا نا تجربہ کاری کی بنا پر نہ سوچا کہ امیر حبیب اللہ
کیونکر ترک کر سکتا ہے۔

(۱۱۳ مشاہدات کاہل و یاغستان)

جناب ایوب قادری صاحب اپنی کتاب "جنگ آزادی"
۱۸۵۷ء میں علما سے اہل سنت پر خاصے برہم نظر آتے ہیں۔

اس خوب گرجے برہم بھی ہیں۔ جناب قادری کی نظریں وہابیوں کی پامالی اور شکست
رہ داری علما سے اہل سنت پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے سنی علما پر خاصی تنقید
کی۔ مگر اسکے ساتھ ہی لگے وہابیوں کی تباہ کاریاں کر ڈالا ہے۔ اور شاید خوش و خیر
ت سی دھکی چھپی باتوں کا اظہار بھی ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں

مہدی محمد حسین صاحب جاناوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی
برایک مستقل رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" ۱۸۹۷ء میں لکھا انگریزی
اور عربی زبانوں میں اسکے ترجمے ہوئے۔ یہ رسالہ سرچارلس ویکسین اور سر جیمس
لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا۔
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

یہی نہیں بلکہ اس کا غیر کیلئے ملک کے دور دراز علاقوں کا سفر بھی کیا اور ملک بھر کے
اہل حدیث سے توافقی و تائید بھی حاصل کی جناب سعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں

اس کتاب پر مولوی محمد حسین بنا لوی انعام سے بھی مہر فرما دئے جماعت اہل حدیث
کو فرقت کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اور یہ بزرگ ہیں جنہوں نے
اس سادہ لوح فرقت میں وفاداری کی خوب پیدا کی۔ نہ صرف یہ بلکہ معاصر علماء
سرکاری مخالفت کے طعنے بھی دئے۔
دہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ۲۱۲

مولانا ندوی اس کتاب میں فرماتے ہیں۔

معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اسکے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے انھیں

جاگیر بھی ملی تھی اس رسالہ کا پہلا حصہ پیش نظر ہے۔

(ہندوستان کی اپنی اسلامی تحریک ص ۲۹)

اگر بغور دیکھا جائے تو پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ لگتا ہے۔
دووی عبد المجید خادم سوہدروی سیرت ثنائی کے ص ۲۴۲ میں جو کچھ لکھا ہے۔
یوب قادری بیان فرماتے ہیں۔

سوی محمد حین ثالوی نے اشاعت السنہ کے ذریعہ اہل حدیث کی بہت سی
کی لفظ دہائی آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوب
اور جماعت کو اہل حدیث کیساتھ منسوب کیا گیا آپ نے حکومت بھی کی اور
میں جاگیر بھی پائی

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۵)

لاٹھی کی فخریہ پیشکش

اگر ان حضرات سے یہاں یہ کہدیا جائے کہ وہ بھول
امیدی خدا سے ناامیدی۔ تو ناراض ہو جائیں گے اور
ساراجہ و جلال غریب علمائے اہلسنت کی طرف اُلٹ پڑے گا۔ حیرت ہے کہ یہاں
ساختہ تو حید میں ذرا بھی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اور یہاں یہ بھی یاد ہے کہ اسی سلسلے میں ثالوی صاحب نے متعدد درخواستیں
گورنر اور خوشامدیں اور چالو سیال بھی کی تھیں اور کاسہ لیس کی انتہا کر دی
سب ایوب قادری لکھتے ہیں!

اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ و دفا دار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک
بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت
رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں

اور اس امر کو اپنے قوی دلیل «اشاعت السنہ» کے ذریعہ سے جسکے قاعدہ میں
اس امر کا بیان ہوا ہے اور وہ نمبر ہر ایک کو کلی گورنمنٹ «گورنمنٹ آف انڈیا»
میں پہنچ چکا ہے گورنمنٹ پر ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی

مایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے
(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۵)

امامت کی تفصیلات اشاعت السنہ لاہور جلد ۱ شمارہ ۷۱ اور ۳۹ ماہر صدیقی ص ۱۲۲
طہ کیا سکتی ہیں اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جولائی پر جو اڈریس مولوی محمد حسین ثالوی
سلمانان الملہ ریٹ کی طرف سے پیش کیا تھا اسے بھی ایوب قادری کی زبانی ہی سننے چلیں

دینی آزادی اس گروہ کو خاص کر اہل سلطنت میں حاصل ہے بجا ہے
سای فزوں کے کم ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی آزادی حاصل ہے
اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے
نام اور استحکام سے زیادہ محتر ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی
مدائیں زیادہ زور کیساتھ نعرہ زن ہیں

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

کارپستی اپنے عروج پر
کیا یہ تصویر انھیں لوگوں کی نہیں! جنگی بے پناہ انگریز
ڈنسی کا ڈھنڈو راپٹا جا رہا ہے جنگی شجاعت بہادری
ماسے بجائے جا رہے اور جن کی دینی غیرت کے ترانے گائے جا رہے ہیں

ہمارا خیال ہے کہ حکم جہاد کی منسوخی پر صرف دو ہی گروہ نے فائدے شایع کئے ہیں ایک
مائیوں نے دوسرے انکے ہم قاصد و با بیوں نے

قادیانیوں نے بھی برٹش گورنمنٹ کو غنیمت اور ذریعہ نجات سمجھا اور دہلیوں نے بھی
سرکاری سرکار کو سائیدہ باب سمجھا قادیانی بھی انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت پر ترجیح
دیتے اور دہلی بھی انگریزوں ہی کو مادی ملجا سمجھتے تھے قادیانیوں کی قربی بھی یہی ہمنہ
کی خلوں تھی اور دہلیوں کے سرپرست بھی یہی گئے لوگ تھے

قادیانیوں کو بھی کسی دوسری اسلامی سلطنت میں جائے پناہ نہیں تھی اور دہلیوں کو
کوئی حکومت خوش آمدید کہنے کیلئے تیار نہیں تھی

جناب ایوب قادری نے دہلیوں کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر اصل بات لکھنے

شاید وہ بھی کتر گئے ہیں۔ اس وقت برطانیہ نے پیش نظر بھی درالاقصاؤ فی مسائل الممالک ہے جو ۱۸۵۶ء میں لکھا گیا یوں تو اس کی ایک ایک سطر قابل دیدن بلکہ لائق تحسین ہے۔ صرف ضرورتاً ایک دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ خیالوی صاحب لکھتے ہیں

مفسدہ مسند دین جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہگار اور بیکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر ان کے عوام کالا نعام تھے بعض جو خواص علماء کہلاتے تھے وہ اصل علوم دین و قرآن سے بے بہرہ تھے یا نا فہم تھے۔ باخبر اور سمجدار علماء اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس عذر کو جہاد بنانے کیلئے مفسدہ لائے پھرتے تھے انہوں نے خوشی سے دستخط کی اسکی تفصیل ہم اشاعت السنۃ ۱۲۵۰ھ میں کر چکے ہیں

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے جنگی امن و مہم میں تھے تھے نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے

(الاقصاؤ فی مسائل الجہاد حصہ اول صفحہ ۵)

اسے دروغ گوئی کی انتہا کہا جائے یا چال بازی کی حد آج تک مجاہدین آزادی ۱۸۵۷ء کو اتنی دل آزار باتیں شاید انگریزوں نے بھی نہ کہی ہوں جتنی ان خوشامدی لوگوں کی ہر آزادی کے سوالوں، وطن کے پاسیافوں کو مفسد، گناہگار، باغی، بدکردار کہنا صرف انہوں کو تزیب دے سکتا ہے جنگی دلوں سے ایمان و غیرت کی آخری کرن بھی خارج ہو چکی ہو اس علماء نے کرام کو علوم دین سے بے بہرہ اور نا فہم کہنا کھینگی کی انتہا ہے۔ بہر صورت

مولوی اسماعیل نے یہ اعلان دیدیا تھا کہ سرکار انگریزی پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہی اس سے مخالفت ہے صرف ہم سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے ہیں یہی وجہ تھی کہ حکام انگلیشیہ کو بالکل خیر نہ ہوئی اور نہ انکی تیاری پر مانع ہوئے

(حیات طیبہ صفحہ ۲۵۱)

اجرت چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں

منٹ خوب جانتی ہے کہ اسکی سلطنت کی برکتوں کو فرقہ المحدث نے کسی تسلیم کیا ہے اور اسکی کیے فرماں بردار اور مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں

(حیات طیبہ صفحہ ۲۴)

نہیں احمد جعفری تحریر فرماتے ہیں

مولوی نذیر حسین جو دہلیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے انکے گھر میں تو ایک نیم صبی بیٹھی تھی

(بہادر شاہ ظفر اور انکا مہم صفحہ ۸۳)

ایوب قادری لکھتے ہیں۔

مولوی میاں نذیر حسین ابن جواد علی ... نے تو ایک طرف جہاد کے متوے پر دستخط کئے اور دوسری طرف ایک انگریز مسٹر لیسن کو بھی پناہ دی (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۱)

لکھتے ہیں مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے نقد انعام ملا اس میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوارج عمری سے نقل کیا جاتا ہے

دہلی مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء ڈبلیو جی ڈائر فیلڈ قائم مقام کمشنر دہلی مولوی نذیر حسین اور انکے بیٹے شریف حسین اور انکے دوسرے گھر والے عذر کے زمانہ میں مسٹر لیسن کے جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالت خردی میں انہوں نے ان کا علاج کیا سارے تین مہینہ اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو بھیجا دیا

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء بحوالہ الحیات بعد الحیات

ایوب قادری اس کتاب کے ص ۱۱ پر لکھتے ہیں

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے مبلغ سات سو روپے بابت تاوان سہم کئے جانے سکانات کے ان لوگوں

کو عطا کئے گئے تھے۔ مسٹر لسن کی جان بچانے میں شمس العلماء ڈیپٹی منسٹر
شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو دیہی اٹھا کر
لائے تھے۔

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء)

ان احوال و واقعات کے پیش نظر کوئی بھی ذی فہم قاری حسب ذیل
اغذ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سید صاحب اور انکے مجاہدین کے تذکرہ لکھتے والے حضرات نے حقائق سے
عقیدت و ارادت سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقعاتی شواہد انکا حتمہ نہیں
سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی کے تذکرہ نگار اس بات پر مصر
ہیں کہ صورت حال کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ بہر حال انکی عظمت و شان بلند کر دینی
کرتے رہیں گے۔

سید صاحب کے مؤلف اس باب میں خود مضطرب ہیں کہ واقعہً جہاد کن لوگوں
ہوا انگریزوں سے یا سکھوں سے۔ تاریخی حقائق انگریزوں سے جنگ کی نفی کرتے
اس باب میں کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ تاریخ میں انھیں کے مؤرخین نے کر
کی ہے۔ یعنی انگریزوں کے بجائے سکھ لکھدیا گیا ہے مگر واقعات سکھوں اور
جنگ ثابت کرتے ہیں۔

مقصد جہاد میں حکومت الہیہ کا تیاام ایک غلط پروگنڈہ ہے کیونکہ جناب مولانا
اسے فرقہ وارانہ گورنمنٹ قرار دیتے ہوئے اس عظیم مقصد کی تردید کر رہے ہیں اور یہ
کہ خود مقصد جہاد میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

گذشتہ شہادتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس جہاد میں انگریزوں نے سید صاحب
بھر پور تعاون کیا تھا اور سید صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور انکے مجاہدین
نہ ماننے والوں کو فنا کر دینے کا عزم رکھتے تھے۔ اور انہوں نے امامت و بیعت کی آم
خونریزی کا جواز پیدا کیا تھا۔

سید صاحب کے مؤرخ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سید صاحب اور انکے مجاہدین فرنگی چال
اور انکی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔

اور یہ کہ دہلی (الہی ریٹ) انگریزوں کے انتہائی مطیع و فرائ بردار تھے اور سرکاری انعام
یافتہ لوگوں میں تھے۔

اور یہ کہ دہلی انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت سے بہر صورت اچھا جانتے تھے
اور یہ کہ دہلیوں نے جہاد جیسے اہم فریضہ کو انگریزوں کیلئے منسوخ قرار دیا تھا۔

جنگ حریت ۱۸۵۷ء

جنگ آزادی کا دور انتہائی جھانگ اور خوفناک دور تھا۔ دیکھتے ہی
دیکھتے برصغیر کا چپہ چپہ لوہیں ڈوب گیا تھا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔

استان کی ہسکتی ہوئی شاداب سرزمین بارود کی ناگوار بو سے سمور ہو گئی تھی دندان چیلوں
نیز کراہوں، دگلہ ز آہوں کیساتھ ہی حریت پسندوں، آزادی کے متوالوں کے پرجوش
ن سے ارض و سما کی پنہاٹیاں تھرا رہی تھیں۔ مجاہدین کی فائزنگ اور فرنگی فوہوں کی گھن
ن سے دھرتی کا وسیع حصہ کانپ رہا تھا۔ ہر گلی، ہر کوچہ، ہر محلہ لاشوں سے ٹپا پڑا تھا۔

بڑے کوٹیں عصمت مآب لڑکیوں اور عورتوں کی لاشوں سے بھری ہو گئے تھے۔ مردوں
تو بھی اپنی بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کی گردنیں کاٹ کر گولیوں سے چھلنی ہو گئے تھے۔
ان دردناک دور تھا۔ جب دہلی ہی نہیں ہر قابل ذکر شہر کی ہر گلی میں پھانسیوں کے پھندے
ہر اہے تھے۔ ہر محلہ میں درجنوں لاشیں اپنی بیکیسی کا باقم کر رہی تھیں۔

اس دور میں رونما ہونے والے احوال و واقعات اور اسکے اسباب و بلوعات پر پختہ تحقیقات
میں۔ محققین الحمی ہوئی گتھیاں سلجھا رہے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتوں کا ظہور ہو رہا
ہے۔ جسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے جیسے ماضی کے دبیز پردے ہٹتے جاتے
ہے۔ بے شمار ان کہی کہانیاں جنم لیتی جا رہی ہیں۔

اور وہ مؤرخین حضرات جنکی اکثریت اب بھی اُس مکتبہ فکر سے وابستہ ہے جنہوں
 رک کے تاریخ نگیا تھانا انسانی کی ہے) اس بات میں سخت مضطرب نظر آتے ہیں
 اس مکتبہ فکر کے مؤرخین حضرات فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے علما و دیوبند اس سے متاثر
 نے انگریزوں سے سخت جنگ پیکار کی انہوں نے مسندوں سے (جدید مؤرخین کی
 انگریزوں سے) نہایت خوفناک مقابلے کئے، قید و بند کی صوبہ دین برداشت کریں
 ظلم و ستم کے نشانے بنے۔ (مگر یہ حضرات انگریزوں کے باب میں دستاویزی شواہد
 دینے سے قاصر ہیں) اس کے ساتھ ہی سوانح نگار حضرات نے ایسی حیرت انگیز قلم کار
 ہیں۔ اور ایسی عجیب و غریب حکایات و روایات پیش کی ہیں کہ پڑھ کر عقل رنگ نہ
 مثلاً جناب ایوب قادری صاحب اپنی کتاب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا یعقوب
 ب نانوتوی کی کتاب "سوانح عمری مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مطبوعہ دیوبند"
 سے تحریر فرماتے ہیں۔

چند بار مسندوں سے نوبت مقالوں کی آگئی اللہ بے مولوی صاحب (محمد قاسم
 نانوتوی) ایسے ثابت قدم تلوار ملاحہ میں اور بہت دقتوں کا مقابلہ ایک بار گولی
 چلی رہی تھی کہ یکایک سر پیچ کر بیٹھ گئے۔ جس نے دیکھا جانگولی لگ گئی ایک
 بھائی دوڑ پڑے پوچھا کیا ہوا۔ فرمایا سر میں گولی لگی۔ غمناہ امار کر دیکھا تو کہیں
 گولی کا نشان تک نہیں ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے کپڑے تر تھے انھیں
 ذہول ایک نے بندوق ماری جسے سینھے سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی جل گئی
 اور کچھ قدمے آنکھ کو نقصان پہنچا خدا جاسے گولی کہاں گئی۔
 جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۸۲ تا ۸۳ ایوب قادری

اب ان حضرات کو کون بتائے کہ شیشے کے محل میں بیٹھ کر بھیر بازی کا شغل مناسب
 رہا۔ یہ روایت بدایت روایت کے خلاف ہے تلوار بمقابلہ بندوق تو غیر شاندار بات
 مگر تعجب یہ ہے کہ سر میں لگنے والی گولی کہاں گئی۔ حالانکہ وہ مجاہد کبیر فرماتے ہیں کہ
 میں لگی ہے۔ اور انتہائی حیرت ناک بات یہ ہے کہ سر میں گولی کا نشان تک نہیں ہے

یہی زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ کپڑے خون سے تری رہتے۔
 اس کو کرامت کہتے ہیں؟ یہاں اس موقع پر یہ کہا جائے کہ یہ ساری روایت ہی مولانا
 علی صاحب کی کرامت ہے تو شاید کچھ نہ غلط نہ ہو۔
 ہر صورت جب مؤرخین فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے جہاد فرمایا تو ہمیں کیا انکار ہو سکتا
 رہا جہاد فرمایا ہوگا۔ مگر صہریت پسندوں، آزادی کے متوالوں سے اور بھی صحیح ہے۔
 اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہت سے ہندوں نے بھی
 قتل و شہادت قدم رہے تھے۔

ان علمائے کرام کے حیرت انگیز حضرات جو انھوں نے اور کہانیاں سناتے ہیں وہ یقیناً
 مراد محل نظر ہیں۔ اس باب میں تقریباً تمام داستان گو حضرات نے "تذکرہ الرشید
 ماسق الہی" کو ماخذ بنایا ہے۔ اور یہ تذکرہ ایسے افسانوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے جس
 میں کیا جاسکتا (اور اس بے اعتمادی میں دور جدید کے مؤرخین بھی ہمارے ساتھ ہیں)۔
 یہ کہ سیرت نگار حضرات نے ان واقعات کو یکسر اور عمدہ نظر انداز کر دیا ہے جو ان کے مقلد کی نفی کرتے
 مولانا مہر نے ایسا ہی ایک واقعہ لکھ کر بڑی چچی ہوئی تاویل فرمائی ہے۔ ممکن ہے
 کی اس تاویل کو عقیدت مند لوگ ارادت کی بھونک میں قبول کر لیں مگر انھوں نے ہر
 اس سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

مولانا عاشق الہی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ حاجی امجد اللہ صاحب علیہ الرحمہ
 سید احمد صاحب مولانا محمد قاسم صاحب اور حافظہ ماسق صاحب کا مقابلہ بندوق چیموں ہو گیا۔

نبرہ آواز ماحتمل کر کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا پہٹ جانوالا نہ تھا
 اسے اٹل پہاڑ کی طرح پہاڑ جا کر ڈٹ گیا اور سر کا گھل ستاری کیلئے تیار ہو گیا۔ اللہ
 شجاعت و جواہری کہ جس ہولناک منظر سے غیر کا پانیانی اور بہار سے بہار کا
 ہر آب ہو چلے۔ وہاں چند فقیر باحقوں میں تلواریں لئے جم غیر بندوق چیموں
 کے سامنے ایسے جمے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آپ پر غیر میں ہوئی
 مرت حافظہ ماسق صاحب رحمۃ اللہ علیہ زینات گولی کھا کر شہید ہو گئے
 (تذکرہ الرشید ص ۲۵۳ کے مجاہدین کے)

مولانا مہر کی تاویل

چونکہ مولانا عاشق الہی کی اس عبارت پر یہ اعتراض
پوری جماعت برٹش گورنمنٹ کی بھی خواہ تھی اور

بجائے سرکاری لوگ تھے۔ اور یہ کہ انگریزوں کی طرف سے تحریرت پسندوں

تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ مولانا مہر حسب توقع اسکا دفاع کرتے۔ چنانچہ مولانا مہر

مبادا سرکار کے باغیوں کے الفاظ سے غلط فہمی پیدا ہو یہاں سرکار سے

خود حضرت حاجی صاحب ہیں اور مقابلہ ان لوگوں سے محتاجو انگریزوں کے ہاں

ہو کر آئے تھے لیکن سرکار کا لفظ ایسے طریقے پر استعمال کیا گیا کہ بظاہر اس

حکومت مراد لی جاسکتی ہے۔

”تذکرہ الرشید“ ایسے زمانہ اور ایسے حالات میں مرتب ہوئی تھی جیب انگریزوں

اقتدار اور کمال پر پہنچا ہوا تھا۔ اور نازک واقعات کی ترتیب میں سرموظ

اسلوب سے کام لئے بغیر چارہ نہ تھا۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ میری رائے اور میرا تاثر ہے اور میں اسے قطعی طور

پر صحیح سمجھتا ہوں نہیں کہہ سکتا کہ مصنف مرحوم کے پیش نظر کیا بات تھی۔

اشارہ حوشادوں کے مجاہد صفحہ ۲۵۳ مولانا غلام رسول مہر

اس مقام پر مولانا مہر نے دکالت کا حق ادا کر دیا ہے اور لفظ ”سرکار“ کی بہترین

ہے اسکے علاوہ اس عبارت کی بظاہر اور کوئی تاویل ممکن بھی نہیں تھی۔ مگر اس تاویل

مولانا قطعی طور پر صحیح سمجھتے ہیں ان ٹھوس اعتراضات کی دیواریں نہیں گرائی جاسکیں

میں سند سکندری بنا کر کھڑی ہیں مثلاً یہ کہ

• انگریزوں کے دور کو مولوی محمد اسماعیل صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جہاد میں

اور ان سے جہاد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور یہ کہ انگریزی حکومت کو اپنی حکومت

کہ انگریزوں کی فتح کو اپنی فتح قرار دیا ہے۔

• اور یہ کہ ماضی میں سید احمد صاحب بریلوی اور ان کے ساتھی جہاد سے پہلے ان سے

لیکر کوئی قدم اٹھایا کرتے تھے۔

تاویلات میں باہر ہونیکے باوجود علمائے دیوبند نے اس عبارت کی تاویل کر نیکی
ت محسوس نہیں فرمائی۔

ان بات یہ ہے کہ مولانا مہر نے عمداً ”تذکرہ الرشید“ کی ان عبارتوں کو نظر انداز کر

یا جو مولانا کی تاویل اور ان کے موقع کی نفی کرتی ہیں۔

پ تسلسل کیساتھ ”تذکرہ الرشید“ اور ”سولہ خاتمی“ کی ان عبارات کو دیکھتے جاتیں

مولانا مہر کی تاویل سے مطابقت نہیں کرتیں، اور اس سے مولانا مہر اور ایوب قادری

دل کر سامنے آجاتا ہے۔

کار کے معنی

ع ۱۹۲۲ء ۱۹۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام دیانی (مولانا رشید احمد

ابن قدس سرہ پراپی سرکار سے باغی ہونیکا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک

کی تہمت باندھی گئی۔

تذکرہ الرشید ج ۱ ص ۷۲

فرماتے ہیں علمائے دین مقین کہ اس لفظ ”سرکار“ سے کون لوگ مراد لئے جاسکتے

درکن مفسدین سے ملنے کی تہمت باندھی گئی تھی۔ اور کس سرکار سے باغی ہونیکا الزام

آتا۔

بایہاں بھی سرکار سے مراد حاجی امجد اللہ صاحب ہیں۔ اور کیا یہاں مفسدوں سے مراد

ان کے ساتھی بن سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہاں سرکار سے مراد برٹش گورنمنٹ ہی ہے

دل سے مراد لازماً حریت پسندی ہیں۔ مولانا مہر کی تاویل اور ان کی فراست کی قطعیت

بہتر خوبیوں کے باوجود ذوق و نظر کی کمزوری پر صحیح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ تذکرہ الرشید

اس تاویل کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ مولوی عاشق الہی لکھتے ہیں

جن کے سردوں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کپنی کے ابن و عافیت

کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی دم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت

کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا بند بازار

آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو بادشاہ بدعتی تھا۔ حکومت ملکیت تھی۔ اسکی زیر
میں نماز بھی درست نہیں تھی اور انکے تمام اکابرین اس سے بھی تیس سال پہلے اس
چکے تھے۔ پھر وہاں خلافت راشدہ کا نمونہ بھی قائم کر لیا تھا۔ اور یہ کہ انگریزوں اور قلاو
ری کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ تھے۔ کس طرح سلطنت دہلی کے زیر انتظام رہا
لہذا یہ کہنا کہ حریت پسندوں کے طرف دار ہو کر انگریزوں سے جنگ کی سلسلہ غلط
اور غیر منطقی بات ہے۔ کیونکہ دہلی کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور بغیر مرکز
جہاد درست نہیں۔ اور دہلی کے علاوہ کوئی مرکزیت تھی نہیں پھر بڑھ چڑھ کر کس طرح
مالی خویا کے مریض | اب سوانح قاسمی کا وہ حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس
کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

اسی بات بہر حال یقینی ہے اور ناقابل انکار چشم دید گوہروں کا کھلا ہوا اقتضا
ہے کہ مالی خویا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں ہے کہ غزوہ
کے ہنگامہ کے برپا کرنے میں دوسروں کیساتھ سیدنا امام الکبیر مولانا محمد قاسم
نانوتوی اور آپ کے علمی اور دینی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے بلکہ واقعہ وہی ہے جو مصنف
نے لکھا ہے کہ مولانا قسادوں سے کوسوں دور تھے۔
(سوانح قاسمی جلد دوم ص ۱۰۹ طبع دیوبند)

اس عبارت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ جو یہ کہے کہ ان علما نے کرام نے انگریزوں سے
مالی خویا کی آزادی کے لئے انھوں نے کوئی کردار ادا کیا تو وہ مالی خویا کا مریض
دلانا اور انکے رفقاء تو اس جنگ سے کوسوں دور تھے۔

کچھ عرصہ پہلے ہم نے حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی کتاب زلزلہ پڑھی تھی
اسکے بعد واقعہ ہونے لگا، دھماکا، کا تجربہ بھی کیا تھا۔ کوئی بھی قادی زلزلہ پڑے
مشرقاں جوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسکی شائستگی اور جاذبیت سے اپنے توبہ اپنے دشمن بھی اندر
ہیں کر سکتے۔ مگر "زلزلہ" کے آتے ہی ان حضرات پر کچھ اس طرح زلزلہ طاری ہوا کہ الاماں
فیض نتیجہ اس طبقہ کا ہر فرد دھماکوں کی نظر ہو کر رہ گیا ہے۔ اور پاک و ہند میں ایک

ساتھ "زلزلہ" کی رو میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں مگر بات نبی نظر نہیں آتی جسکی وجہ سے
اس عروج پر ہیں۔

اسی حال ہی میں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کی زیر نگرانی جناب مولوی محمد عارف صاحب
سنا ذندۃ العلماء لکھنؤ نے بھی ایک کتاب بنام "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" رقم فرمائی
اس میں قاتل اول کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جناب سنبھلی اپنی اس کتاب "بریلوی فتنہ کا
پ" کے صفحہ ۱۴۵ پر رقم لکھتے ہیں۔

اس زمانہ "یعنی ایام تحریک آزادی" میں مسلمانوں کے اندر کسی نیاز مند سرکار کا
تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں مولانا ارشد القادری کے اوپر دالوں میں ایسے لوگ
اس وقت بھی پائے گئے ہوں تو ان کا اسے بعید نہ سمجھنا ٹھیک ہے۔ جناب
ارشد القادری صاحب میں کچھ ہوش، گوشہ ایسی باقی رہ گیا ہو تو ہم انھیں پیرانا
شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت یاد دلائیں کہ ہر جگہ گھوڑا دوڑا انکی پیٹھ کی
سے نہ ہر جائے مرکب تو ان تاقتن کر جاوے سپر باید انداختن
وہ کہاں اس تاریخ جہاد بیکار کی باتوں میں اپنی ہنسی اڑوانے داخل ہو گئے
انکے لئے مندرجہ فتنہ انگریزی اور گندم نمائی دھو فرشی کا میدان بہت ہے
(بریلوی فتنہ کا نیا روپ ص ۱۴۵)

سنبھلی صاحب فرماتے ہیں کہ اس دور میں کسی نیاز مند سرکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حالانکہ
اس دور میں اتنے بڑے بڑے اپنے اپنے اپنے لوگ نیاز مند سرکار تھے کہ جنکا آج تصور بھی
میں کیا جا سکتا۔ مجھے سنبھلی صاحب کی تاریخ دانی پر حیرت ہے۔ سر سید احمد خان کون تھے
مس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کون تھے شمس العلماء میاں نذیر حسین کون تھے وغیرہ وغیرہ بے شمار
معاں بہادر اور شمس العلماء قلم کے لوگ اگر نیاز مند سرکار نہیں تھے تو یہ خطابات کسی صلے میں عطا ہو سکتے
اس مکتبہ علم پر سوانح قاسمی کے مندرجات کے مطابق اگر ان محرم کو مالی خویا کا مریض کہہ دیا
مے تو شاید کچھ غلط بات نہ ہوگی۔

اب انھیں کون بتائے کہ علامہ ارشد القادری کے اوپر دالے سے یہے جاننا زلوگ تھے

وہ انکے امام ربانی کی طرح تسبیح دکھا دکھا کر تفتیش کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کو مجاہد نہیں کہلاتے تھے۔ اور نہ ہی چلو کے پہلے اور جہاد کے بعد انگریزوں کی دم کرتے تھے۔ اور نہ ہی انگریزوں کی عملداری کو اپنی عملداری اور انگریزوں کی فتح کو سمجھتے تھے۔ رہی جناب سخیلی اور انکے رفقاء کی تاریخ دینی تو وہ بھی اس کتاب کے بعد ظاہر ہو جائے گی اور معلوم ہو جائیگا کہ انکی تاریخ دینی کا معیار کیا ہے۔

بہر صورت اس باب میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان حضرات علمائے کرام نے (ہوئی ہے) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں کوئی مجاہدانہ کردار ادا نہیں کیا ہے۔ باقی رہ جاتے ہیں کہ یہ پیراں نمی پرند مریدان ہی پرانند۔

یہ دو پگندے کے بل بوتے پر کوئی مجاہد الکبر بن جائے یا کچھ اور حسب کچھ ہو۔ چند اختلاف کے باوجود ہم یہاں اہل حدیث اہل قلم برق الموحیدی کا ایک تجربہ نقل جو ان کے حقیقی مرد و خال نمایاں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

جماعت دیوبند ہر سہرا اپنے سر سبائی کی آرزو مند ہے۔ (برق النہر)

علمائے دیوبند کی ہمیشہ ایسی ہی دو فنی اور منافقانہ پالیسی رہی ہے اور مستقبل کی تاریخ کے پیش نظر انہیں دیوبند نے ہمیشہ منافقانہ کردار ادا کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اگر ایک طرف تحریک ریشمی رومال کا سہرا مجاہدین چرخہ اور عیس سے چین کر مولانا خدھی ایسے اشتراکیت اور نام نہاد انقلابی کے سر پر چھوایا جائے تو دوسری طرف اسی فائدان دیوبند کے شتم و چراغ اور ایک حلقہ کے شیخ الشارح کے بھائی انگریز کو مخبری کرتے ہیں اور محمود الحسن کو گرفتار کر دیا جاتا ہے۔

تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف شبیر عثمانی کا نام لیکر آج پاکستان کے تصور سے تعمیر و تکمیل تک کو علمائے دیوبند کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے تو دوسری طرف مدنی جیسے مزدور و اقبال بھی تھے۔ کہ اگر پاکستان نہ بنتا تاریخ فیصلہ انکے خلاف دیتی تو پھر بھی ملکہ دیوبندی کی کلمات کا منظر ہوتا۔

ایسے سلسلہ کو ایک تاریخ نے اسے سنہری الفاظ میں لکھا ہے تو محض دیکھنا۔ مدنی برکات کا نتیجہ ہے لیکن اگر تاریخ کا ادب دوسری کرڈٹ بیٹھتا تو ختم النہر دیوبندی، شفیق، ظفر احمد انصاری و عثمانی محمد عین اور شبیر محمد جالندھری جیسے ختم نبوت کی علمائے دیوبند کا طرہ آپکو سب سے زیادہ بلند نظر آئیگا۔

بہر صورت انکی تحریک ختم نبوت کی طرف نظر دوڑائیے اگر مستقبل نے اسے سن دوزخ شدہ تحریک قرار دیا تو کرڈٹ علمائے دیوبند کا نصیب مغرور ہوگا۔ انکو جنوری کی بڑی کانٹیر تھا۔ لیکن اگر وہ تحریک کوئی اور رخ اختیار کر لیتی تو ختم نبوت ہمارے ہاتھ بھڑت بھی فضلائے دیوبند ہی کو ملتا۔ کہ مولانا تھانوی اور مہر اوی

پورے لاؤ لشکر سمیت جھٹو کی پشت پر بیٹھے بالآخر ختم نبوت کے بعد پاکستان میدان سیاست میں آتے جسکی گہا گہا تقریباً ایوبی دور سے شروع ہوتی ہے۔ باقی اگر حالات کا تفصیل ایوب کے مخالفین کے حق میں ہوتا تو آپ کو ہی اہل دیوبند

ف اول کے مجاہدین جمہوریت پسند نظر آئیگی۔ اور اگر حالات کا رخ دوسری طرف ہوتا تو اسی دیوبند کے خلافت راشدہ کے آخری دوزخ شدہ ستارے سر تاج مانے دیوبند اعتقاد الحق آپ کو ایوب کا مستقبل کرتے اور گلے میں ہار ڈالتے

کہ امام ضامن باندھے (نظر آئیگی کہ یہ ایوبی دور بھی اہل دیوبند ہی کا حصہ ہوگا اور اسے بھی کہ حصول مفاد کی وقت تو مفتی محمود نے ایوب کو اپنا ڈوٹ فروخت کر دیا۔ لیکن جب تحریک چلی تو جمہوریت کے ہیرو بن بیٹھے اور تاج محمود جیسے رگ دیوان کی معرفت رات ہی رات میں اہل ثروت صاحب معراج اور اذیت بولاگ بنا کر دربار ایوب میں مجبور دیز ہوتے ہیں۔

مردت جھٹو کی حکومت کا ذکر چلے تو آپ دیکھیں گے کہ اگر جھٹو ہی الفت کو تاریخ نے ترجیح دی تو علمائے دیوبند ہر اول دستہ ہوں گے لیکن اگر دوسرا چھوڑ دیا جائے تو ہم فرزند ان کا حکیم، منیلہ انعامی، تاج محمود، عبدالقادر آزاد، عبدالحق کورہ، عبدالباقی، عبدالحق، انک سولوی حسن شاہ ولایت دیوبند کے بے تاج بادشاہ غلام غوث خاں دیوبند

باوجہ ہمت شکل باجالات میں بے اہل و عیال چیلے چیلے نظر آئینگے۔ اور اس سرٹیفکیٹ انھیں ملیگا اگر بھٹو کے خلاف اسمبلی میں کارروائی کسی مہارن مذکرہ کیا تو مخالفت میں یہی غلامان دیوبند کے بیت سے ایم ایم آپ کو۔ لیکن دوسرا رخ قابل انعام و اکرام ہوا تو مستحق پھر بھی خدام دیوبند ہی ہوں شیخ الحدیث الودہ خشک فرماتے ہیں کہ محترم اسپیکر صاحب میرا تعلق ہے یہ اسلام سے ہے ہمارے بزرگوں نے انتخاب کے موقع پر جتنی تائید بھروسہ اور پیلز پازنی سے کی ہے اس سے اخبارات پر یہی قومی اسمبلی میں اس امر کے صحت (۲۲)

یعنی اس موقع پر بھی دیوبند بزرگان کی بزرگی کے صدقے سختی انعام ہو گئے۔ مسلمان نقاد اور توجہ پرست ادیب جناب ماسر القادری نے "دارلکرم" میں توجہ و توجہ اور لطیف پیرایہ میں فرمایا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث اور ان بزرگوں کی اس شہید غلطی کو اللہ تعالیٰ انکی دوسری نیکیوں کے طفیل معاف کرے اور اگر کسی مؤرخ کے نوک قلم پر مسئلہ پی پی پی سے اتحاد اور اختلاف کا آیا تو بصورت اول یہی دیوبند کے چشم و چراغ مفتی بھٹو سے بلگیر ہوتے نظر آئینگے اور بصورت ثانی یہی ضرب اختلاف کے پہلوان بھی یہی ہوں گے۔

اور اگر اس نام نہاد عوامی حکومت سے حصول مفاد کا مسئلہ درپیش ہوا تو ایک طرف ایک مفتی صاحب وزارت علیا پر بھی کار سے مستغنی ملیں گے۔ لہذا سختی تو ایک علامہ دیوبند کی یہی سادگی ہوگی۔ کہ یہ رحمت ہے علمائے دیوبند کی دعاؤں کے صدقے۔ لیکن دوسری طرف کئی قاسمی آپ کو ردٹ پر مٹ، پلاٹ لکچنیاں لیتے بھی ملیں گے کہ یہ رحمت ہے علمائے دیوبند کی دعاؤں کے صدقے۔

اور اگر مستقبل میں بھٹو کی رہائی موضوع بحث بنی اور فیصلہ بھٹو کے خلاف کیا تو بہت سے فضلاء دیوبند آپ کو حاکم کی سزا کے قائل بھی نظر آئیں گے۔ لیکن اگر فیصلہ موافق ہوا اور اگر وہ رہا ہو گئے تو بھی علامہ دیوبند کی کرامات کا

مانع ہوگا۔ کیونکہ انھیں کئی حقوق حاصل ہیں جو بھٹو کی رہائی کا تقاضہ کھتے ہیں۔ اگر ضیاء الحق کی مارشل لا کو تاریخ نے نظریہ ضرورت کے تحت صحیح قرار دیا تو سی متحدہ غلامان دیوبند آپ کو ضیاء حکومت سے تعاون کرتے ملیں گے۔

لیکن اگر مارشل لا درست نہ ہوا۔ اور اسکے خلاف جہاد ضروری ہوا تو بھی سب سے بڑے اور پہلے مجاہدین جمہوریت علمائے دیوبند ہی ہونگے کہ احترام اور ارشاد الحق خانوی نے لاشعیاں کھائیں۔ اور گرفتاریاں پیش کیں۔

بہر حال اس مختصر سی داستان دلخیز کے پیش نظر آپ حبیب بھی دیکھیں اور جس طرف بھی دیکھیں تو آپ کو اس متضاد پالیسی کی کرشمہ سازیاں نظر آئیں گی۔ کہ یہی علمائے دیوبند کی برکات ہے۔ وہ بھی اولیاء دیوبند کی کرامت۔ یہ بھی علمائے دیوبند کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ اور وہ بھی فضلاء دیوبند کی کوشش کا ثمرہ۔ یہ بھی علمائے دیوبند کے

علم و فضل کا کرشمہ اور وہ بھی خدام دیوبند کے ہند و فن کا مظہر غرض کہ جدھر سے تمہم کہ میڈٹ اور ایوارڈ آئے تو خاندان دیوبند کی کام ہوگا۔ خواہ وہ ذلت و رسوائی کا ہو یا عزت و شرافت کا۔ گویا کہ حق جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے زمین۔ شاید آپ سمجھیں کہ یہ تمام امور و واقعات حادثاتی یا اتفاقی ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں بلکہ مبنی پر توجہ اور ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انیسائے

دیوبند نے۔ ہر محاذ پر کس طرح محاذ آرائی شروع کر رکھی۔ مثلاً سیاست بازی جیتنے کیلئے جمعیت علمائے اسلام۔ مرزا ایت پر فتح یاب ہونے کیلئے تحفظ ختم موت

حالانکہ کوئی وقت تھا کہ یہ تنظیم تمام مکتاتب فکر کا ایک متفقہ مسئلہ کا نشان امتیاز و اتحاد تھا۔ لیکن اب دیوبند ہی نہیں بلکہ صرف تاج محمود لیسٹہ کا دوستانہ

ہے۔ لیکن اس سے محض نتائج بھی علمائے دیوبند کی کرامات ہی ہو گئے۔ اہل تفریح کے مقابلہ میں تحفظ ناموس صحابہ کی تنظیم مرض وجود میں آئی کہ اگر کسی وقت اس

سلسلے میں انعام وصول کر سکا موقع آیا تو ہمارے منہ کا پانی خشک نہ ہوگا۔ شرک و بدعت کے خلاف اڑھائی دہائی جماعت "احیاء التوحید والسنہ" ہے۔

تاکہ وقت آنے پر یہ اہل اہل مذہب بھی ہمارے حصے میں آسکے۔ تبلیغ و ارشاد کیلئے تبلیغی جماعت اور مرکز جینیوٹ کا ہتھیار استعمال ہوا۔ کہ اس میدان میں بھی کوئی موقعہ علمائے دیوبند کے ذریعہ پورے اسلام کو اپنے نام رجسٹری کروانے کا ضائع نہ ہو جائے۔ اہل حدیث حضرات کے خلاف نفیس وجود کو ناکافی تصور کرتے ہوئے "ابن حزم الاصفہانی" بنائی کہ رضا خانیوئی ہمدردیاں حاصل کر کے اہل حدیث سے مشاجرات کا کرڈٹ بھی کوئی اور نہ لیجانیے پائے۔ اور بریلویت کے خلاف حماد آرائی کیلئے سواد اعظم کا عظیم فراڈ رچایا۔ کہ اہل حدیث کو استعمال کر کے بوقت انعام ہم حاضری دے سکیں اور بالفرض یہ تنظیمیں حصول منزل میں ناکام رہتی ہیں تو کرڈٹ لیتے پھر بھی آپکو علمائے دیوبند ہی تمام سے آگے نظر آئیے کہیں مرزا قادیانی کی حمایت ہے۔ تو دوسری طرف ہاتھ کی صفائی کا کرتب اور اہل تشیع سے بھی مصالحت ہو سکتی ہے کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر قادیانی صحابہ میں یہ کوئی کم مقام تو نہیں رکھتے۔ اسی طرح غبی مشرکین سے بھی دوستی ممکن ہے کہ مجاہدان دین پور۔ خاندانہ کنڈیاں۔ تھانہ بھون اسی بیماری کا علاج ہیں۔

(ہفت روزہ افق ۲۲ اپریل ۱۹۹۸ء ۲۹ اپریل ج ۲ شمارہ ۱۰ ص ۱)

یہ ہیں علمائے دیوبند کے اضطراب اور کردار بے قرار کی چند جھلکیاں جسے اہل حدیث عمر برقی التوحیدؑ نے نہایت جارحانہ انداز میں لکھا ہے۔

اگر ہم یہاں بخاری و مسلم سے دو حدیث لکھیں تو شاید بات بہت واضح ہو جائے ممکن المتناقض۔ منافق کی مثال۔

كَاشَاقَ الْعَائِمَةِ بَيْنَ الْغَتَمَيْنِ يُعِيدُ إِلَى هَذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هَذِهِ مَرَّةً.

دھس بکری کی طرح ہے (جو بکری کے تلاش میں) دو دوڑوں کے درمیان پھرتی رہتی ہے (ارہا سم بدترین لوگ۔

يُخَذُّونَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَاؤُجْهَيْنِ الَّذِي نَأَى هُوَ ذَاؤُجْهَيْنِ (بخاری و مسلم)

(قیامت کے دن بدترین لوگ دو چہروں والے ہونگے یعنی منافق) ایک چہرے سے ان کی اچنگے اور دوسرے چہرے سے دوسروں کی طرف)

اس باب میں جناب شویش مرحوم نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا ہے

گاہ گنگا گاہ جنا پر دمنو کرنے لگے	ہم انہیں عالم سمجھتے تھے مگر قبائل ہیں
پیر و شہد تھے کبھی انکے دلیر جلالی ٹیل	اب بھی انکے ذہن میں پندت جلالی ہیں
کاؤنڈ اعظم کی شخصیت سے نفرت آج تک	اس پر دعویٰ کر اپنے دور کے ابدال ہیں
پانی پت کے دھرم دھاری کلچر دی گنجی کیساتھ	کیسے کیسے لوگ شویش صاحب قبائل ہیں

(ہفت روزہ چٹان ۱۲ دسمبر ۱۹۹۸ء)

تحریک خلافت

جنگ آزادی کے دوران برصغیر کے وسیع و فراعینے پر جو ہولناک اور وحشیانہ لورہ خیر خونی کھیل کھیلایا گیا۔ اسکا ذکر اتنا لورہ خیر ہے کہ دل اور قلم دونوں زخمی تھے ہیں۔ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی بے گور و گفن لاشیں مدتوں غلیم و ستم ال اور دناک داستانیں سناتی ہیں۔ جلے ہوئے منہدم مکانات سے اٹھنے والے دھوئیں اہلوں کیساتھ نہ جانے کن بلند یوں میں کھو جاتے تھے۔ اور ایک طویل مدت گزر گئی کسی دن ذکر انقلاب نے کروٹ نہیں لی

گو یا پوری قوم حسرتوں اور مایوسیوں کی اچھا تار کیوں میں گم ہو گئی تھی۔ یا پھر غلامت کے اس سمندر نے قوم کے جیالوں کو نگل لیا تھا۔ قائدین یا تو شہادت کی سعادت حاصل کر گئے تھے یا کاسے پانی کے جہنم کدہ میں مبر و استقامت کیساتھ صعوبتوں کے دن گزار رہے تھے۔ اور جو باقی بچے تھے غفور عافیت کی تلاش میں تھے۔

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے عزت کے بجائے ذلت کو قبول کر لیا تھا اس آزادی سے زیادہ غلامی پر کشش نظر آرہی تھی۔ دنیاوی وجاہت کی چاہت میں عزت کی سعادت بھول گئے تھے۔ خطابات و نوازشات کی جکا چونڈ نے عزت ملی کو

پامالی کر دیا تھا۔ بہر صورت گورے حکمرانوں اور ان کے کائے غلاموں کے لگا
 بھید کا ہی تھے۔ مسکیوں اور بھکیوں کے ختم ہونے میں ایک مدت گذر گئی
کچھ انجمنیں کچھ کمپنیاں | اسی دوران میں کئی انجمنیں اور کمپنیاں در الیوسی
 (۱) برہم سہاج بنگال میں (۲) پراگھنا سامان
 (۳) آریہ سہاج پنجاب میں (۴) تھیٹھو فیکل سودا میں مدد میں

اسی طرح ۱۸۶۴ء میں اور اسکے قریب میں۔ مہاجن سبھا مدراس میں
 سبھا پورہ میں۔ انڈین الیوسی الیشن بنگال میں۔ بمبئی الیوسی الیشن بمبئی میں
 اور پھر ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا یونین بنی۔ اور اس کے سال بعد ۱۸۸۶ء میں
 کانگرس بن گئی۔ جسے ایک انگریز مسٹر ہوم نے قائم کیا۔ اسی طرح ۱۸۹۳ء
 تک نے ایک انجمن مخالف ذبح گاو اور ڈیفنس الیوسی الیشن بنایا۔ اور اسی
 ۱۸۹۳ء میں سٹس محمود نے ڈیفنس الیوسی الیشن قائم کیا۔ اور پھر اسی گرو
 نے ۱۸۹۵ء میں سواجی فیشیوں قائم کیا۔ مگر ان میں ایک آدھ کے علاوہ تمام انجمنوں
 در الیوسی الیشنوں کے قائم کر نیوالے کٹر ہندو تھے۔ اور ان میں سے اکثر صراحتہً ان
 کے خلاف صفت آ رہے تھے۔ ان ہندو انجمنوں نے مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ حال
 ان ناموافقت نے انھیں پامالی کر دیا۔ انھیں اتنے رخم آئے تھے کہ انکا شمار ممکن نہیں
 تھا۔ تنہا داغ داغ شدید پسند کیا کجا نہیں

آدھ پھر انھیں زخموں کے دیکھتے گنتے پوری اُنیسویں صدی ختم ہو گئی۔ بالآخر یہ
 انقلاب آخر میں در شروع ہو گیا۔

اسلم لیگ کا قیام | اگر اجازت ہو تو کہوں کہ آج ہوتا ہے حادثہ پیمائش کا رداں با
 ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ نواب سلیم اللہ خان۔ نواب وقار
 اور مولانا محمد علی کی کوششوں سے اسلم لیگ قائم ہوئی مگر اسے بھی ملک گیر حیثیت
 دینے میں ساہا سال لگ گئے۔ اور پھر انھیں ایم میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ پور
 خرم تریکات کا ایک عظیم طوفان برپا ہو گیا۔ مجاہدین نے ایک نئی کر دھ کی حیثیت

میں میں ظاہر ہوئے۔ دلی ہوئی چنگا کر یا بھڑکنے لگیں اور جذبہ جنوں آگے بڑھنے کو

خلافت اور چند دوسری تحریکیں | ان میں "تحریک خلافت" "تحریک ترک
 مولات" "تحریک ہجرت اور تحریک ترک
 ہندو سلم اتحاد" یعنی متحدہ قومیت کا نعرہ مستانہ۔ اور بہت سی چھوٹی بڑی تحریکیوں نے جنم
 پیغمبر کے وسیع و عریض سینے پر امنٹ نقوش چھوڑ گئیں۔

مگر ہم کتاب کے موضوع کے اعتبار سے صرف انھیں تحریکات کا جائزہ لے سکتے ہیں
 ایک کہلاتی ہوں اور جن میں علما و حق اور ملائے اہلسنت پر اعتراضات وارد کئے گئے
 لہذا پہلے تحریک خلافت!

تحریک خلافت کے بارے میں ابتدا ہی سے ہمارا نقطہ نظر بالکل واضح اور غیر مبہم رہا ہے
 باباب میں جو بات بے غماز شواہد کو سامنے رکھ کر قطعیت کیا تھا کہی جاسکتی ہے وہ یہ
 اس تحریک خلافت سے امام احمد رضا اور ان کے رفقاء کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا۔
 اس تحریک خلافت کے طریقہ کار اور اس مذہبی، ملی، دینی اور اصلاحی مسئلہ میں ہندوؤں
 دست واستعانت اور گاندھی جیسے اسلام دشمن کی قیادت و سیادت سے سخت اختلاف
 تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں امام احمد رضا کی مخالفت کی گئی اور انھیں نہ صرف یہ کہ
 خلافت کا دشمن قرار دیا گیا بلکہ انگریز دوستی کا الزام بھی چسپاں کیا گیا۔ (جسے کبھی ثابت
 نہ کی کوشش نہیں کی گئی)۔

مگر ابھی بہت دن نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق وہی تھا
 امام احمد رضا اور ان کے رفقاء نے فرمایا تھا۔ جوش و جذبات کے دھارے جیسے ہی تھے
 قی و صداقت کا پرچم لہرا تھا۔ اور ہندوؤں سے مودت و رفاقت اور مشرکوں سے موافقت اور
 عنایت کی قلمی کھل گئی اور جھوٹی اخوت کی سیاہ نقاب تار تار ہو گئی۔ ملمع اُترتے ہی اندر کا بھیانک
 ظاہر ہو گیا۔

اور عہد ہے کہ یہ تحریک خلافت جنکے لئے چلائی گئی تھی اور جنکے لئے بے پناہ قربانیاں ۵

گی تھیں۔ اور جنگ استقلال کیلئے سینے چلانی کر دائے گئے تھے، اور جن کی بقا کئے اپنے بچوں کو۔ بہنوں نے اپنے بھائیوں کو، بیویوں نے اپنے شوہروں کو قربان کر کے انجام کچھ اچھا نہیں ہوا۔

(حصول پاکستان ۱۳۴۰ پروفیسر احمد سعید)

ایک خلافت اور اس کا رد عمل
اس عنوان کے تحت جناب رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں

تحریک خلافت ایک ہونٹاں اور لرزہ خیز طوفان کی طرح ہندوستان کے سیاسی مصلح پر نمودار ہوئی تھی مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ سرے کفن باندھ کر میدان جہاد میں اتر چکے تھے۔ جیل جانا ایک کھیل بن گیا تھا۔ سینے پر گویاں کھانا زور و زور کا واقعہ تھا۔ اس طوفان کا رخ جس نے مورتیا جلاہ سکی یگروسی سلامت نہ رہ سکی۔ یہ سلسلہ مسلمانوں کی موت و زلیست کا مسئلہ بن گیا تھا انہوں نے ملے کر کیا تھا کہ جو انکے ساتھ ہے ان کا دوست ہے اور جو ان کے ساتھ نہیں ہے وہ دشمن کے سوا کچھ نہیں ہے جسے انہوں نے اپنا مخالف سمجھا غلط یا صحیح اس کی بحث نہیں اس کا سیاسی وجود ختم کر دیا گیا۔ محمد علی جناح کو انہوں نے گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ ۱۰۰۰۰ کا یہ علماء و صلحا اخبار ابراہین سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے جٹ جانا پڑا۔ تحریک خلافت کے مخالف مسلمانوں کی لاشیں تنگ پڑی رہتی تھیں لیکن قبرستان میں دفن نہیں ہو پاتی تھیں۔ انکی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ مخالفین کا سماجی مقاطعہ کیا جاتا تھا۔ اور انہیں مسلم حلقوں میں دہنادر و جھر ہو جاتا تھا۔

ڈاکٹر کچلہ نے ہندوؤں کے سنی عقائد کے مقابلے میں مجلس تنظیم قائم کی اور مسلمانوں کی نظر سے اتر گئے خواجہ حسن نظامی نے شمدھی کے مقابلے میں تبلیغ کا نعرہ بلند کیا لیکن مسلمانوں نے انکار کر دیا کیونکہ اس سے تحریک خلافت کے کردار میں کٹنگا لگتا تھا۔ ہندو اتحاد میں غلط پڑنے کا اندیشہ تھا۔ کانگریس کی مرکزیت ختم ہونیکا دھڑکا تھا

مصطفیٰ کمال پاشا اور انکے ساتھیوں نے برسر اقتدار آتے ہی صرف خلافت کے بے شمار شعائر اسلام کو بھی پارائی کر دیا اور سیکولر (لا دینی) حکومت کا اعلان کر دیا میں تارے پڑ گئے۔ اذانیں بند ہو گئیں۔ اود بار بار یہ نوازیں کی تقابین نوح کر نذر اقل کر ۵ جولائی ۱۹۱۹ء کو بمبئی میں خلافت کنونسل عمل میں آیا اور ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ پروفیسر احمد سعید لکھتے ہیں کہ

جنگ عظیم اول کے بعد ترکی کیساتھ انگریزوں نے جو سلوک کیا۔ اسکے پیش نظر مسلمانوں کیلئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہ گیا تھا۔ کہ وہ ایک ملک گیر تحریک کا آغاز کریں۔ اور ہر پنجاب میں جلیانوالہ بابا کا حادثہ پیش آ گیا جس کی ہم سے ہندو مسلم اتحاد میں مدد ملی ہندو اور مسلمان دونوں انگریزوں کے خلاف تھے ہو کر کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا چنانچہ ہندوستانی مسلمانوں نے مجلس خلافت کے نام سے ایک جماعت کی دہلی میں ۱۹۱۹ء کو مولوی فضل حق کے زیر صدارت ایک عظیم الشان خلافت کانفرنس منعقد ہوئی مولوی فضل حق نے اپنے خطبہ صدارت میں اس بات پر زور دیا کہ خلافت کے مسئلے میں غیر مسلموں کی مدد حاصل کی جائے خلافت کانفرنس کے اختتام پر مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔
۱۔ اعلیٰ ایران اور ترکی کے مقدس مقامات میں جو ذیلیات کی گئی ہیں ان پر اظہار رنج کیلئے مسلمانان ہند جنس صلح میں شریک نہ ہوں۔ اور اسکے خلاف جسے متفقہ کریں
۲۔ مسلمان حکومت سے ترک موالات کریں

۳۔ اگر حسب مشائخ ترکی کا فیصلہ نہ ہوا تو پھر ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے گا مذہبی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور یہ اعلان کیا کہ خلافت کے مسئلہ پر وہ